UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222303
UNIVERSAL
LIBRARY

THE BOOK WAS DRENCHED

'OUP—391—29-4-[illegible]—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵ د ۳۱۴ Accession No. U 60

Author انجمن ترقی اردو

Title [illegible]

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلۂ انجمن ترقّی اردو

نمبر ۱۰۵

عرفانیات فانی

Checked 1975

یعنے

حضرت فانی کے قدیم و جدید کلام کا مکمّل مجموعہ

لطیفی پریس دہلی

عرفانیاتِ فانی

٨٩١٢ ٤٣١
ق - ع

U60
U891.4316
F A

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیرا نگاہِ شوق کوئی رازداں نہ تھا — آنکھوں کو ورنہ جلوۂ جاناں کہاں نہ تھا

عالم جز اعتبارِ نہاں و عیاں نہ تھا — یعنی کہ تو عیاں نہ ہوا اور نہاں نہ تھا

ابتک تری گلی میں یہ رسوائیاں نہ تھیں — ابتک تو اس زمیں پہ کوئی آسماں نہ تھا

کیا دن تھے جب مآلِ وفا کی خبر نہ تھی — وہ دن بھی تھے کہ حالِ وفا داستاں نہ تھا

تلقینِ صبر دل سے کوئی دشمنی نہ تھی — دیکھا یہ حال قابلِ شرح و بیاں نہ تھا

مفہوم کائنات تمھارے سوا نہیں — تم چھپ گئے نظر سے تو سارا جہاں نہ تھا

ہر شاخ ہر شجر سے نہ تھی بجلیوں کو لاگ — ہر شاخ ہر شجر پہ مرا آشیاں نہ تھا

آغوشِ موت میں تہِ داماں یار ہوں — وہ دن گئے کہ مجھ پہ کوئی مہرباں نہ تھا

آزردہ تھا کہ ضبطِ فغاں میں اثر نہیں — شرمندہ ہوں کہ ضبطِ فغاں رائیگاں نہ تھا

ہو بھی چکے تھے دامِ محبت میں ہم اسیر — عالم ابھی بقیدِ زمان و مکاں نہ تھا

اللہ رے بے نیازئ آدابِ التفات — دیکھا مجھے تو پائے نظر درمیاں نہ تھا

میرے دلِ غیور کا حسنِ طلب تو دیکھ — گویا زباں پہ حرفِ تمنا گراں نہ تھا

تو نے کرم کیا تو بہ عنوانِ رنجِ زیست　　غم بھی مجھے دیا تو غمِ جاودان نہ تھا
فانیؔ فسونِ موت کی تاثیر دیکھنا
ٹھہرا وہ دل کہ جس پہ سکوں کا گماں نہ تھا

ٹوٹا طلسمِ ہستیٔ فانی کے راز کا　　احسان مند ہوں المِ جاں گداز کا
تمہید صد ہزار قیامت ہے ہر نفس　　عنوان شوق ہوں گلہ ہائے دراز کا
عبرت سرائے دل میں ہوں آوازِ دور باش　　مارا ہوا ہوں خاطرِ حسرت نواز کا
اٹھتی نہیں ہے تہمتِ نظارۂ جمال　　منہ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا
ناآشنائے لطف ہوں بیگانۂ عتاب　　صورت شناس ہوں نگہِ امتیاز کا
احساسِ غیرِ بادہ گوارا ہوا ہے مجھے　　لا جام ساقیا مئے مینا گداز کا
فانیؔ دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

اور تسلی سے سوا ہو گیا　　دردِ جگر یہ تجھے کیا ہو گیا
موت کی نیند آگئی بیمار کو　　غیب سے سامانِ شفا ہو گیا
اور ہی بل ہے تری زلفوں میں آج　　کون گرفتارِ بلا ہو گیا
چارۂ تپ ہجر کا اب کیا کروں　　زہر بھی کمبخت دوا ہو گیا
اب بھی ترا وعدہ وفا ہو نہ ہو　　موت کا وعدہ تو وفا ہو گیا
مفت دو عالم ہے وہ تیرِ نگاہ　　جو مری شامت سے خطا ہو گیا
ہوش ہی تھا ہجر کہ میں آپ سے　　آپ میں آتے ہی جدا ہو گیا

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنواں نکلا　　دم تو نکلا مگر آزردۂ احساں نکلا
آگئی ہے ترے بیمار کے منہ پر رونق　　جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا

دل آگاہ سے کیا کیا ہمیں امیدیں تھیں — وہ بھی قسمت سے چراغ تہِ داماں نکلا
دل بھی تھا منہ سی بس اک آہ نکل جانے تک — آگ سینے میں لگا کر غمِ پنہاں نکلا
چارہ گر، ناصحِ مشفق، دلِ بے صبر و قرار — جو ملا عشق میں غمخوار وہ نادان نکلا
شکوہ منظور نہیں تذکرۂ عشق نہ چھیڑ — کہ وہ در پردہ مرا حال پریشاں نکلا
بجلیاں شاخِ نشیمن پہ بھی جاتی ہیں — کیا نشیمن سے کوئی سوختہ ساماں نکلا
اب جنوں سے بھی توقع نہیں آزادی کی — چاک داماں بھی باندازۂ داماں نکلا
ہائے وہ وعدۂ فردا کی مدد وقتِ اخیر — ہائے وہ مطلبِ دشوار کہ آساں نکلا
شوقِ بیتاب کا انجام تحیر پایا — دل سمجھتے تھے جسے دیدۂ حیراں نکلا

اس نے کیا سینۂ صد چاک سے کھینچا فانی
دل میں کہتا ہوں وہ کہتا ہے کہ پیکاں نکلا

زندگی کا کوئی پہلو ہی نہ تھا جو غم نہ تھا — ہوش کا سودا جنونِ عاشقی سے کم نہ تھا
یوں نہ تھے محرومِ مرگِ ناگہاں بیمارِ عشق — وہ بھی دن تھے جب مزاجِ زندگی برہم نہ تھا
مجھ سے ہر جلوے نے سیکھا امتیازِ قلب و سنگ — ورنہ حسنِ دوست کا آگے تو یہ عالم نہ تھا
دل کی قسمت ہی بری تھی ورنہ کوچۂ دوست میں — تھا کوئی ذرہ جو دل کے درد کا محرم نہ تھا
رسمِ خودداری سے گو واقف نہ تھی دنیائے عشق — پھر بھی اپنا زخمِ دل شرمندۂ مرہم نہ تھا
رفتۂ بیمِ خزاں تھی اس چمن کی ہر بہار — خندۂ گل تھا مگر بے گریۂ شبنم نہ تھا
عرش کی منزل بھی تھی کیا بارگاہِ قلبِ دوست — کیا اب اتنا بھی اس آہِ نارسا میں دم نہ تھا

دل میں فانی اک نہ اک ہنگامہ برپا ہی رہا
شوق تھا جب تک کسی کے شوق کا ماتم نہ تھا

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا — ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا
اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا — زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

حسن ہے ذات مری عشق صفت ہے میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

کعبہ کو دل کی زیارت کے لئے جاتا ہوں
آستانہ ہے حرم میرے صنم خانے کا

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
راز کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈھتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا

اب اسے دار پہ لیجا کے سلا دے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لئے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا

وحدت حسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دل کے ہر ذرے میں عالم ہے پری خانے کا

چشم ساقی اثر مے سے نہیں ہے گلرنگ
دل مرے خون سے لبریز ہے پیمانے کا

لوح دل کو غم الفت کو قلم کہتے ہیں
کن ہے انداز رقم حسن کے افسانے کا

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا

کس کی آنکھیں دم آخر مجھے یاد آتی ہیں
دل مرقع ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا

کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانیؔ
آپ کی جان سے دور آپ کے مر جانے کا

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

ہر دل کو تیرے غم نے مسلماں بنا دیا
توفیق اضطراب کو ایماں بنا دیا

رگ رگ کو درد دل نے رگ جاں بنا دیا
اس کفر ماسوا کو بھی ایماں بنا دیا

جب درد کو امانت درماں ہوئی سپرد
درمان عشق کو غم درماں بنا دیا

میری نگاہ معترف عجز خاک تھی
تیری نظر نے خاک کو انساں بنا دیا

جب اس نے غم سے پردہ اٹھایا تو عشق تھا
جب دل کو بے نقاب کیا جاں بنا دیا

کیفیت نگاہ سرور آفریں نہ پوچھ شبنم کو جس نے بادۂ عرفاں بنا دیا
ہر روئے گل کو جلوہ گہ کیف صد بہار ہر بوئے گل کو میکدۂ جاں بنا دیا
غم کو بنا کے محرم اسرار کائنات ہر نقش غم کو پیکر انساں بنا دیا

دے کر دل فسردۂ فانی کو سوز عشق
ہر آرزو کو شعلہ بداماں بنا دیا

کسی کے ایک اشارے میں کس کو کیا نہ ملا بشر کو زیست ملی موت کو بہانہ نہ ملا
مذاق تلخ پسندی نہ پوچھ اس دل کا بغیر مرگ جسے زیست کا مزا نہ ملا
دبی زباں سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ بس اب تو زہر ہی دے زہر میں دوا نہ ملا
خدا کی دین نہیں ظرف خلق پر موقوف یہ دل بھی کیا ہے جسے درد کا خزانہ نہ ملا
دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر کہ اعتماد اثر کیا ملا ملا نہ ملا
ظہور جلوہ کو ہے ایک زندگی درکار کوئی اجل کی طرح دیر آشنا نہ ملا
تلاش خضر میں ہوں روشناس خضر نہیں مجھے یہ دل سے گلہ ہے کہ رہنما نہ ملا
نشان مہر ہے ہر ذرہ ظرف مہر نہیں خدا کہاں نہ ملا اور کہیں خدا نہ ملا
مری حیات ہے محروم مدعائے حیات وہ رہ گزر ہوں جسے کوئی نقش پا نہ ملا

وہ نامراد اجل بزم یاس[1] میں بھی نہیں
یہاں بھی فانی آوارہ کا پتا نہ ملا

خود برق ہو اور طور تجلا سے گزر جا خود شعلہ بن اور وادی سینا سے گزر جا
بے واسطۂ خود نگری اپنی طرف دیکھ آئینہ اٹھا حسن خود آرا سے گزر جا
یہ نقش قدم ہیں رہ بے منزل دل میں فردا تو ہے فردا پس فردا سے گزر جا
اپنی ہی نگاہوں کا یہ نظارہ کہاں تک اس مرحلۂ سعی تماشا سے گزر جا

---
[1] یاس عظیم آبادی

ذرے میں ہے گم وسعت صد عالم صحرا — ذرّے کو سمجھ وسعت صحرا سے گزر جا
کر قطع نظر وسوسۂ قلب و نظر سے — ہر جلوۂ پوشیدہ و پیدا سے گزر جا
کعبہ ہو کہ ہو دیر وہ دنیا ہو کہ عقبیٰ — ہر منزل و ہر جادۂ و ہر جا سے گزر جا
اے عزم خبر ہوش کے پردوں کو الٹ دے — اے ذوق نظر محمل لیلا سے گزر جا
یوں سب کو بھلا دے کہ تجھے کوئی نہ بھولے — دنیا ہی میں رہنا ہے تو دنیا سے گزر جا
اٹھ بزم تحیر سے وہ کہتے ہیں ادھر آ — جا اور حد امکان تمنّا سے گزر جا
اے دیدۂ دل کھول وہ کہتے ہیں ادھر دیکھ — دیکھ اور حد آداب تماشا سے گزر جا

کشتی کا سہارا ہی تو گرداب ہے فانی
دریا ہی میں تو ڈوب کے دریا سے گزر جا

ہل گیا زنداں بُرا ہو نالۂ شبگیر کا — چونک اٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری زنجیر کا
میری تدبیروں کی مشکل اب تو یا رب سہل کر — کیا یہ ساری عمر منھ تکتی رہیں تقدیر کا
میرے دل سے پوچھتے ہیں آپ کیا وجہ خلش — یاد ہے گم ہو گیا تھا کوئی پیکاں تیر کا
عشق کا بھی کیا تصرف ہے کہ دل اب دل نہیں — آئینہ ہے غم کی جیتی جاگتی تصویر کا
آپ کی آزردگیٔ بے سبب بھی خوب ہے — کیا مزے کا ہے تقاضا عذر بے تقصیر کا
کس نظر سے اس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف — کانپ اٹھا ہر ذرّہ میری خاک دامنگیر کا
برق کو اب کیا غرض کیا رہ گیا کیا جل گیا — جل گیا خرمن میں جو کچھ تھا مری تقدیر کا
فکر راحت چھوڑ بیٹھے ہم تو راحت مل گئی — ہم نے قسمت سے لیا جو کام تھا تدبیر کا

نامرادی حد سے گزری حال فانی کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہے اک جنازہ آہ بے تاثیر کا

راز دل سے نہیں واقف دل ناداں میرا — تیری عرفاں سے بھی دشوار ہے عرفاں میرا
اڑ چلے کیوں مری وحشت کے بکھیرے ہوئے تار — کس کے دامن سے الجھتا ہے گریباں میرا

جلوۂ آتش پنہاں جسے غم کہتے ہیں
دل ہوا بجھ کے وہی شعلۂ عریاں میرا

کیوں جنوں پھر نہ بیاباں میں بہار آئی ہو
بڑھ چلا ہے مرے دامن سے گریباں میرا

کھول دے راز فریب غم و راحت نہ کہیں
خندۂ عیش پہ یہ گریۂ حیراں میرا

فطرت عشق کی آزاد اداؤں کو تو دیکھ
وسعت عالم تخییل ہے زنداں میرا

آ دم نزع اور اک وعدۂ فردا بھی سہی
جان کے ساتھ نکل جائے نہ ارماں میرا

چشم تر حامل آثار جنوں ہے فانی
کھو گیا ہے اسی دریا میں بیاباں میرا

یہ کس قیامت کی بیکسی ہے نہ میں ہی اپنا نہ یار میرا
نہ خاطر بے قرار میری نہ دیدۂ اشکبار میرا

نشان تربت عیاں نہیں ہے نہیں کہ باقی نشاں نہیں ہے
مزار میرا کہاں نہیں ہے کہیں نہیں ہے مزار میرا

وصال تیرا خیال تیرا جو ہو تو کیوں کر نہ ہو تو کیوں کر
نہ تجھ پہ کچھ اختیار دل کا نہ دل پہ کچھ اختیار میرا

نگاہ دلدوز کی دہائی جمال جاں سوز کی دہائی
رہ محبت میں غم نے لوٹا شکیب و صبر و قرار میرا

میں درد فرقت سے جاں بلب ہوں تمھیں یقین وفا نہیں ہے
مجھے نہیں اعتبار اپنا تمھیں نہیں اعتبار میرا

قدم نکال اب تو گھر سے باہر جو دم بھی سینے سے ہل نکلے
دکھا نہ اب انتظار اپنا لحد کو ہے انتظار میرا

سنا ہے اٹھا ہے اک بگولہ جلو میں کچھ آندھیوں کو لے کر
طواف دشت جنوں کو شاید گیا ہے فانی غبار میرا

تو اور درِ جاناں مگر اتنی سی تو کر جا
قسمت کو رسائی نہیں منظور مگر جا

ہستی و فنا راحت و ایذا سے گزر جا
جب سرحدِ دل سامنے آجائے ٹھہر جا

بھر لے نگہ آخر بیں میں ہر رنگ
دنیا کو بھی لیتا ہوا دنیا سے گزر جا

خالی لئے بیٹھا ہوں تری بزم میں ساغر
مے میرے مقدر میں نہیں زہر ہی بھر جا

ہے موت ہی اک زندگیٔ دل کا سہارا
جینے کی جو ایسی ہی تمنا ہے تو مر جا

سرکارِ محبت میں خبر بے ادبی ہے
اے نشۂ دیوانگی ہوش اتر جا

اک عمر پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا
اے زلفِ سیہ ماتمِ فانی میں بکھر جا

قربانِ عشق موت بھی آئی تو کیا ہوا
اس تیرِ بے خطا کا نشانہ خطا ہوا

کیوں خونِ دل لگی ہی رہی گی جگر میں آگ
اے ننگِ عاشقی تری غیرت کو کیا ہوا

قاتل سنبھل کہ یہ نگہ واپسیں نہیں
خنجر ہے میرے دل کے لہو میں بجھا ہوا

اے جذبِ بیخودی ترے قربان جائیے
پھرتا ہے دل میں کوئی مجھے ڈھونڈھتا ہوا

طوفاں ہی ایک کیا مجھے طوفاں سے کم نہیں
لنگر ہوا سفینہ ہوا ناخدا ہوا

میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دکھا ہوا

فانی طلسمِ راز حقیقت یہ ہے کہ ہے
تجھ پر تری نگاہ کا پردہ پڑا ہوا

کیوں جفا کیش کبھی تو بھی جفا کوش نہ تھا
وہ بھی دن تھے کہ خود اپنا ہی تجھے ہوش نہ تھا

اب جو ہیں تو نے وہ کی تھیں نہ بلائیں نازل
زلف بردوش نہ تھا غیر سے ہم دوش نہ تھا

بھول جانے کے سوا اب تجھے کچھ یاد نہیں
کل کی ہے بات کہ تو وعدہ فراموش نہ تھا

بے تکلف نگہِ مست چھلکا دیتی تھی
میں تری بزم میں حسرت زدۂ نوش نہ تھا

نگہِ شوق نہ تھی کیف اثر سے محروم
میری قسمت میں غمِ بادۂ سرجوش نہ تھا

دل مشتاق نہ تھا شکوہ طراز تب ہجر — گلۂ غم کا مرقع لب خاموش نہ تھا
ظلمت شام میں تھا نورِ سحر کا عالم — آسماں صبح کے ماتم میں سیہ پوش نہ تھا
تجھ میں اور تیرے تصوّر میں جدائی تھی محال — درمیاں کوئی حجاب غم آغوش نہ تھا

یاد ایام کہ فانی کے سوا تیرا ذکر
فتنۂ ہر لب دآوارۂ ہر گوش نہ تھا

یہ ضبط بھی ادب آموز امتحاں نہوا — کوئی ستم کبھی تقریب الاماں نہوا
سبک سری ہی ترے عشق سے سبکدوشی — بلائے جاں ہی وہ دل جو بلائے جاں نہوا
اجل کے زیر اثر ہو وہ نقش ہستی کیا — ہوا کہ برق کے سایہ میں آشیاں نہوا
کسی کی پرسش پنہاں سی کیوں ہو داد طلب — وہ حال جو کبھی منت کش زباں نہوا
فغاں نے کوئی اثر تو کیا یہ کیا کم ہے — یہی سہی کہ وہ آزردہ فغاں نہوا
دل آپ یار سے رودادِ غم کہے تو کہے — مری زباں سے تو یہ ماجرا بیاں نہوا
جہاں جہاں میں نہیں یاد یار دل میں نہیں — جمال یار کا چرچا کہاں کہاں نہوا
ہر آن فتنہ ہی ہر فتنہ اک قیامت ہے — ترا شباب ہوا دورِ آسماں نہوا

ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانی
ترا نشاں نہ رہا اور بے نشاں نہوا

فضائے شوق کا وہ شعلہ زار نور ہو جانا — وہ اک اک ذرۂ دنیائے دل کا طور ہو جانا
مجھی پر منحصر ٹھہرا مرا مجبور ہو جانا — مری ہستی ہی خود اپنی نظر سے دور ہو جانا
اسیر بند دل ہو کر غم دنیا سے فارغ ہوں — مری آزادیوں کا راز ہے مجبور ہو جانا

مجھ کو مرے نصیب نے روز ازل نہ کیا دیا — دولت دو جہاں نہ دی اک دل مبتلا دیا
دل ہی نگاہ ناز کا ایک ادا شناس تھا — جلوۂ برق طور نے طور کو کیوں جلا دیا

قبر میں جب کسی طرح دل کی تڑپ نہ کم ہوئی
یاد خرام ناز نے حشر کا آسرا دیا

روز جزا گلہ تو کیا شکر ستم ہی بن پڑا
ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا

اب مری لاش پر حضور موت کو کوستے تو ہیں
آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا

دل میں سما کے پھر گئی آس بندھا کے پھر گئی
آج نگاہ دوست نے کعبہ بنا کے ڈھا دیا

اُف کے گناہگار ہم ہیں تو مگر خطا معاف
آٹھ پہر کے درد نے دل ہی تو ہے دُکھا دیا

آپ ہم اپنی آگ میں اے غم عشق جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا

یوں نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات
چھیڑ کے داستان غم دل نے مجھے سلا دیا

گریۂ آتشیں کی داد دے شب غم تو کون دے
خود سر شام کیا بجھی شمع نے دل بجھا دیا

یاس نے درد ہی نہیں حق تو یہ ہے دوا بھی دی
فانی نا امید کو موت کا آسرا دیا

بے اعتبار وعدۂ فردا نہیں رہا
اب یہ بھی زندگی کا سہارا نہیں رہا

تم مجھ سے کیا پھرے کہ قیامت سی آگئی
یہ کیا ہوا کہ کوئی کسی کا نہیں رہا

کیا کیا گلے نہ تھے کہ ادھر دیکھتے نہیں
دیکھا تو کوئی دیکھنے والا نہیں رہا

آہیں ہجوم یاس میں کچھ ایسی کھو گئیں
دل آشنائے درد ہی گویا نہیں رہا

اللہ رے چشم ہوش کی کثرت پرستیاں
ذرّے ہی رہ گئے کوئی صحرا نہیں رہا

دے ان پہ جان جس کو غرض ہو کہ ڈلکے بعد
ان کی نگاہ کا وہ تقاضا نہیں رہا

تم دو گھڑی کو آئے نہ بیمار کے قریب
بیمار دو گھڑی کو بھی اچھا نہیں رہا

فانی بس اب خدا کے لئے ذکر دل نہ چھیڑ
جانے بھی دے بلا سے رہا یا نہیں رہا

کچھ اس طرح تڑپ کر میں بے قرار رویا
دشمن بھی چیخ اٹھا بے اختیار رویا

کیا اس کو بے قراری یاد آگئی ہماری
مل مل کے بجلیوں سے ابر بہار رویا

آیا ہے بعد مدت بچھڑے ہوئے ملے ہیں — دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رویا
نازک ہے آج شاید حالت مریض غم کی — کیا چارہ گر نے سمجھا کیوں زار زار رویا
کچھ بھی ہوں سبق و باراں ہم تو یہ جانتے ہیں — اک بے قرار تڑپا اک دل فگار رویا

فانی کو یا جنوں ہے یا تیری آرزو ہے
کل نام لیکے تیرا دیوانہ وار رویا

وا ہے کی یہ مشق پیہم کیا — یاس و امید۔ شادی و غم کیا
تم کو اس راز ما سوا کی قسم — تم پہ چھایا ہوا ہے عالم کیا
ان کے آگے غم اک فسانہ ہے — ان سے کہئے فسانۂ غم کیا
عیش رفتہ کی یاد سے حاصل — قصہ خلد و ذکر آدم کیا
تا کجا آہ زیر لب آخر — انتہائے سکوت برہم کیا
غم دنیا بقدر ظرف نہیں — حسرت بیش و شکوۂ کم کیا
سوز غم کی حدیں نہیں ملتیں — بجھ گئی آتش جہنم کیا
گرم و سرد زمانہ جو کچھ ہو — ورنہ فردوس کیا جہنم کیا

موت جس کی حیات ہو فانی
اس شہید ستم کا ماتم کیا

کہتا ہی غم یار ہیں ہوں جان تمنا — دنیا ہے مری عالم امکان تمنا
مضمون تو مکتوب ازل کا نہیں معلوم — لکھا ہی مرے خون سے عنوان تمنا
آہستہ گزر صرصر غم وادی دل میں — برباد نہ کر خاک شہیدان تمنا
جز داغ نہیں کوئی چراغ سر تربت — سینہ ہے مرا گور غریبان تمنا
ہی یاد تری رونق خلوت گہ خاطر — ہے ذکر ترا شمع شبستان تمنا
نالے ہیں نہ آہیں نہ خلش ہی نہ تپش ہے — باقی نہ رہا کوئی زباں دان تمنا

کیفیت ناکامی دل کیا کہوں فانیؔ
دل ٹوٹ گیا توڑ کے پیمانِ تمنا

جسے ترکِ حسرت کا ارمان ہو گا
پشیماں سا وہ پشیمان ہو گا

جسے لوگ کہتے ہیں عشاق کا دل
وہ تیرے ہی ملنے کا ارمان ہو گا

ادائے تغافل کے مارے ہوؤں پر
ستم بھی کرو گے تو احسان ہو گا

ترے عہدِ آزاد میں جوشِ وحشت
گریبان گویا گریبان ہو گا

نہیں کچھ دفاؤں پہ موقوف ظالم
مرے بعد تو بھی پشیمان ہو گا

بُرا تو نہیں خواہ کچھ بھی ہو فانیؔ
وہ کافر نہ ہو گا مسلمان ہو گا

کچھ کم تو ہوا رنجِ فراوانِ تمنا
آغازِ جنوں گو نہیں پایانِ تمنا

پھر یاس نے رکھا ہے قدم خانۂ دل میں
یعنی ہے اب اللہ نگہبانِ تمنا

گو چاک ہوا دل نگر ارمان نہ نکلے
بے فائدہ کھولا درِ زندانِ تمنا

افسانہ مرا خوابِ زلیخائے محبت
جلوہ ہے ترا یوسفِ کنعانِ تمنا

جز وعدۂ باطل نہیں بنیاد کچھ اس کی
دل کانپ اٹھا دیکھ کے ایوانِ تمنا

اک جان ہے وہ خیر سے وارفتۂ غم ہے
اک دل ہے سو ہے سوختہ سامانِ تمنا

فانیؔ کا دم اک دم ترے قدموں پہ نکل جائے
دل کی یہ تمنا ہے اب اے جانِ تمنا

جستجوئے نشاط مبہم کیا
دل میسر ہے لذتِ غم کیا

مستی ہوش کے فسانے ہیں
جشنِ پرویز و عشرتِ جم کیا

ایک عالم کو دیکھتا ہوں میں
یہ ترا دھیان ہی مجسم کیا

اذنِ ہنگامۂ نگاہ نہ دے
کیا ہماری بساط اور ہم کیا

ننگ رحمت ہے احتیاج دعا　　انتظار گدائے مبرم کیا
میری فطرت ہی گوش بر آواز　　سن رہا ہوں نوائے محرم کیا
مٹ گیا نام عاشقی اب اور　　چاہتا ہے وہ حسن برہم کیا
کاش پوچھو تو کچھ بتائیں ہم　　حاصل شکوہ ہائے باہم کیا

دل کمال حیات ہے فانی
دل کے مارے ہوؤں کا ماتم کیا

مدت سے ہے دل خانۂ ویران تمنّا　　اب کوئی تمنا ہے نہ سامانِ تمنا
سمجھو تو بہت فرق ہی اغیار میں مجھ میں　　میں آپ پہ قربان وہ قربانِ تمنا
پہلو بھی بدلنے نہیں پاتے مرے ارماں　　اب ضبط سے دل ہی او لبتان تمنّا
کیا چارہ گر اب بھی تجھے امید شفا ہے　　یہ زخم ہے یہ دل ہے یہ پیکان تمنا
آلودہ نہیں خون تمنا سے وہ دامن　　رنگیں ہے مرے خون سی دامان تمنّا
اللہ بچائے نظر یاس سے دل کو　　امید ہے پھر سلسلہ جنبان تمنا

یہ سحر ہے فانی کہ غم عشق ہی کیا ہے
دل قطرۂ خوں جس میں یہ طوفانِ تمنّا

غم فانی و عیش برہم کیا　　جا و داں ہوں تو عیش ہی غم کیا
ہر تجلی ہے اک نظام جمال　　لاکھ عالم ہیں ایک عالم کیا
تم سے نسبت ہی اعتبار اپنا　　ہم تمھارے ہیں ورنہ پھر ہم کیا
غم تو واعظ غم بہشت بھی ہے　　امتیاز غم جہنم کیا
لاگ ہے اپنی زندگی سے مجھ　　اور ناسازگاری غم کیا
یہ بھی اک التفات ہی ورنہ　　دعوت نالہ ہائے پیہم کیا
یہ حجابات بھی اٹھا آخر　　دل پہ درد دچشم پرنم کیا

پھر ملی غیب سے نوید نشاط   غم کے ساماں ہوئے فراہم کیا
یاد فانی بخبر کیوں لے موت
اُٹھ رہا ہے یہ شور ماتم کیا

وائے نادانی یہ حسرت تھی کہ ہوتا در کھلا   ہم قفس راز اسیری کیا کہیں کیوں کر کھلا
فرصت رنج اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے ملئے   اب چھری صیاد نے لی اب قفس کا در کھلا
اللہ اللہ اک دعائے مرگ کے دو دو اثر   واں کھلا باب اجابت یاں قفس کا در کھلا
اُف اس آزادی بے ہنگام کی مجبوریاں   میں قفس کے پاس یوں بیٹھا ہی رہتا پر کھلا
عجلت پرواز جب ملنے بھی دے راہ گریز   یوں تو کھلنے کو قفس کا در کھلا اکثر کھلا
بند ہے باب قفس ہو سر تو پٹکے جائیے   ہم نے دیکھا ہی قفس کی تیلیوں میں در کھلا
کم تو کیا صیاد بے تابی سوا ہو جائے گی   تو نے ناحق تیلیوں میں رکھ دیا خنجر کھلا
آسماں گرم تلافی چاہئے کیسا قفس   بجلیوں کے اک اشارے میں قفس کا در کھلا
ہجر ساقی میں ہمارے غم کی کیفیت نہ پوچھ   بند در ہر شیشہ خالی دل بھرا ساغر کھلا
لکھ چکے ہم جا چکا خط گر یہی حالت رہی   ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا
دل میں زخم، اشکوں میں خوں صورت ببیں عالم مپرس   وہ نگاہ اف وہ مژہ ناوک چھپا نشتر کھلا
دم بخود سکتے کا عالم، مردنی چھائی ہوئی   رنگ میری زندگی کا میری میت پر کھلا

دیکھئے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس
خواب میں فانی نے دیکھا ہی قفس کا در کھلا

جن خاک کے ذروں پر وہ سایۂ محمل تھا   جو خاک کا ذرہ تھا وحشت کدۂ دل تھا
بیداد کی ہر تہہ میں سو طرح سے شامل تھا   وہ جان کا دشمن جو کہنے کو مرا دل تھا
غم حسن مکمل تھا دل حسرت کامل تھا   تصویر کا آئینہ تصویر کے قابل تھا
ہم جی سے گزر جانا آسان سمجھتے تھے   دیکھا تو محبت میں یہ کام بھی مشکل تھا

آئینہ و دل دونوں کہنے ہی کی باتیں تھیں — تیری ہی تجلی تھی اور تو ہی مقابل تھا
ہر باطل و ہر ناحق اک راز حقیقت ہے — جس شکل میں حق آیا وابستۂ باطل تھا

ہاں آپ کسی کو یوں برباد نہیں کرتے
یہ فانیؔ ناکارہ سچ ہے اسی قابل تھا

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا
ساری امیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

فصل گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

لیجیے کیا دامن کی خبر اور دست جنوں کو کیا کہیے
اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا

منزل عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

وہ کہتے ہیں کہ ہیں لوٹے ہوئے دل پر کرم میرا — مگر منجملۂ آداب غم خواری ہے غم میرا
وہاں سجدے سے اب تک قدسیوں کے سر نہیں اٹھتے — پڑا تھا جس جگہ راہِ محبت میں قدم میرا
نہ ہے تقدیر ناکامی کہ تیری مصلحت ٹھہری — تری مرضی سے وابستہ ہوا اللہ رے غم میرا
نہ جانے اس سفر کی منزلِ اول کہاں ہوگی — فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا
مرے جوش طلب کی شان استغنا کوئی دیکھے — کہ میں ہر سو آگے مجھ سے آگے ہی قدم میرا
میں وہ آزردۂ وہم مسرت ہوں معاذاللہ — کہ غم کو غم سمجھنے سے بھی گھبراتا ہے دم میرا
یہ محرومِ تبسم میرِ سامانِ تبسم ہے — تری بزم طرب میں معتبر ہی اشک غم میرا

اب آگے کس سے لکھا جائے آغاز محبت پر — فسانہ ختم کر دیتے ہیں ارباب قلم میرا
مری آوارگی ہر قید سے بیزار ہے شاید — کہ اب اس کی گلی میں بھی گزر ہوتا ہے کم میرا

بقا کہتے ہیں جس کو وہ مرا احسان ہے فانی
وہ حادث ہوں کہ دنیائے قدم بھرتی ہے دم میرا

حاصل علم بشر جہل کا عرفاں ہونا — عمر بھر عقل سے سیکھا کئے ناداں ہونا
چار زنجیر عناصر یہ ہے زنداں موقوف — وحشت عشق ذرا سلسلہ جنباں ہونا
دل بس اک لرزش پیہم ہے سراپا یعنی — ترے آئینہ کو آتا نہیں حیراں ہونا
فال افزونی مشکل ہے ہر آسانی کار — میری مشکل کو مبارک نہیں آساں ہونا
راحت انجام غم اور راحت دنیا معلوم — لکھ دیا دل کے مقدر میں پریشاں ہونا
دے ترا حسن تغافل جسے جو چاہے فریب — ورنہ تو اور جفاؤں پہ پشیماں ہونا
ہائے وہ جلوۂ ایمن وہ نگاہ سر طور — فتنہ ساماں سے ترا فتنۂ ساماں ہونا

خاک فانی کی قسم ہے تجھے اے دشت جنوں
کس سے سیکھا ترے ذروں نے بیاباں ہونا

یہ نیاز عاشق ہے اور وہ ہے ناز ان کا — موت راز عاشق ہے زندگی ہے راز ان کا
لطف اضطراب آئے یا مرا نقاب اٹھے — کیا پیام لائی ہے اے شب دراز ان کا
دل یہ جو نگاہیں تھیں رفتہ رفتہ آہیں تھیں — عشق بن گیا آخر حسن جلوہ ساز ان کا
وہ نگاہ پھر اٹھ کر آئینے سے ٹکرائی — صرف تازیانہ ہے پھر سمند ناز ان کا
وہ ستم نہیں کرتے یوں کرم نہیں کرتے — لطف خاص بے منت چاہتا ہے ناز ان کا
رفتۂ نظر ہو جا سب سے بے خبر ہو جا — کھل گیا ہے راز اپنا کھل نہ جائے راز ان کا

موت کو تو یوں فانی جان دی نہیں جاتی
ڈھونڈھ لے کوئی حیلہ یہ بہانہ باز ان کا

وہ جی گیا جو عشق میں جی سے گزر گیا
عیسیٰ کو ہو نوید کہ بیمار مر گیا

آزاد کچھ ہوئے ہیں اسیران زندگی
یعنی جمال یار کا صدقہ اتر گیا

دُنیا میں حال آمد و رفت بشر نہ پوچھ
بے اختیار آ کے رہا بے خبر گیا

شائد کہ شام ہجر کے مارے بھی جی اُٹھے
صبح بہار حشر کا چہرہ اتر گیا

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں
یہ جانتا ہوں دل ادھر آیا ادھر گیا

میں نے دیا کہ تم نے لیا دل تمھیں کہو
تم دل میں پہلے آئے کہ دل پیشتر گیا

ہاں سچ تو ہے شکایت زخم جگر غلط
دل سے گزر کے تیر تمھارا کدھر گیا

دل کا علاج کیجئے اب یا نہ کیجئے
اپنا جو کام تھا وہ غم یار کر گیا

کیا کہئے اپنی گرم روی ہائے شوق کو
کچھ دور میرے ساتھ مرا راہبر گیا

فانی کی ذات سے غم ہستی کی تھی نمود
شیرازہ آج دفتر غم کا بکھر گیا

غم کے بھڑکتے شعلوں سے جب جل کے کلیجہ خاک ہوا
داغ وجود حسرت سے تب دل کا دامن پاک ہوا

حال پہ میرے فرش کے ذرے عرش کے تارے روتے ہیں
آپ کی پلکیں تر کیا ہوتیں کوئی پلک نمناک ہوا

میری سوا تھی اور جو پردے سارے کے سارے چاک ہوئے
یہ بھی اگر اللہ نے چاہا کوئی دم میں چاک ہوا

سایہ بھی جس پہ میرے نشیمن کا پڑ گیا
کیوں آسمان وہ باغ ہی سارا اُجڑ گیا

تو نے سب اپنے کام بگڑ کر بنا لئے
میری وفا وہ کام جو بن کر بگڑ گیا

دل کی مفارقت کو کہاں تک نہ روئیے
اللہ ایک عمر کا ساتھی بچھڑ گیا

صیاد یوں پروں میں گرہ باندھتے ہیں کیا
بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

ہوتا ہے آج فیصلہ امید و یاس کا
ٹلتا ہے اب وہ دل جو لیا اور اڑ گیا

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر
کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا

بدلا ہوا ہے آج مرے آنسوؤں کا رنگ
کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا ادھڑ گیا

اللہ رے جوشش بادِ بہاری ترا اثر
پیمانہ لڑکھڑا کے صراحی سے لڑ گیا

وعدے کی رات گردشِ افلاک رک گئی
جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا

اک حشر اور چاہیئے اس روسیاہ کو
فانی زمینِ حشر میں غیرت سے گڑ گیا

ہمیں کھوئے گئے تجھ میں جب تیرا پتا پایا
نہ پایا مدعا ہم نے تو گویا مدعا پایا

ازل میں اہلِ دل نے بابِ رحمت سے نہ کیا پایا
دعا پائی دعا کے واسطے دستِ دعا پایا

فریبِ جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذ اللہ
بڑی مشکل سے دل کو بزمِ عالم سے اٹھا پایا

یہی روداد غم اول سے آخر تک کہ ظالم کو
ستم نا آشنا دیکھا کرم نا آشنا پایا

مرادِ دردِ نہاں رسوائے اقصائے دو عالم ہے
چھپا کر تو نے جو بخشا وہ میں نے برملا پایا

یہی محشر میں دیدار و وصلِ یار کا حاصل
کوئی دیکھا ہوا دیکھا کوئی پایا ہوا پایا

مرے شکوے سپاسِ غم کی لے میں دل سے اٹھتے ہیں
فغاں کو میں نے آہنگِ طرب کا ہم نوا پایا

ترے مظلوم کی فریاد کام آ ہی گئی آخر
دلِ مرحوم نے اک نالۂ آخر رسا پایا

وفا کے نام سے بیزار ہے وہ بیوفا فانی
وفا میں اس نے کیا پندارِ ترکِ مدعا پایا

اے اجل اے جانِ فانی تو نے یہ کیا کر دیا
مار ڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا

جب ترا ذکر آ گیا ہم دفعتہً چپ ہو گئے
وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا

کس قدر بیزار تھا دل مجھ سے ضبطِ شوق پر
جب کہا دل کا کیا ظالم نے رسوا کر دیا

یوں چرائیں اس نے آنکھیں سادگی تو دیکھئے
بزم میں گویا مری جانب اشارا کر دیا

دردمندانِ ازل پر عشق کا احساں نہیں
درد یاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

دل کو پہلو سے نکل جانے کی پھر رٹ لگ گئی
پھر کسی نے آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کر دیا

بچ رہا تھا ایک آنسو دار وگیرِ ضبط سے — جوششِ غم نے پھر اس قطرے کو دریا کر دیا

فانی مہجور تھا آج آرزو مندِ اجل
آپ نے آکر پشیمانِ تمنا کر دیا

ادائے ہر نگہِ التفات نے مارا — نوید مرگ و وعید حیات نے مارا
یہی نہ ایک حقیقت کہ بے نیاز ہی تو — دلِ غیور کو اتنی سی بات نے مارا
کسی کے جلوۂ طاقت ربا کو کیا دیکھوں — شکستِ رنگِ رخِ کائنات نے مارا
جمالِ مطلق بے نام کی دہائی ہے — فریبِ ذات نے لوٹا صفات نے مارا

ہلاکِ تلخیِ تاخیرِ موت ہوں فانی
ثباتِ زندگیِ بے ثبات نے مارا

ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا — اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا
برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشرِ سکوت — تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا
امیدِ عفو ہے ترے انصاف سے مجھے — شاہد ہے خود گناہ کہ تو پردہ پوش تھا
فردائے حشر خیز سے آنکھوں کا تھا قصور — ہر رخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا
ہر مژدۂ نگاہ غلط جلوہ خود فریب — عالم دلیل گمرہیِ چشم و گوش تھا
وحشت بقیدِ چاک گریباں روا نہیں — دیوانہ تھا جو معتقدِ اہلِ ہوش تھا
پی اور وہ پی ازل میں کہ اتری نہ حشر تک — یادش بخیر دل بھی عجب بادہ نوش تھا
محرومیاں ذریعۂ الہام ذکر تھیں — نالوں پہ انحصارِ پیامِ سروش تھا

فانی تنک بضاعتیِ غم کا کیا علاج
ہر قطرۂ خونِ دل کا تمنا فروش تھا

زیست کا حاصل بنایا دل جو گویا کچھ نہ تھا — غم نے دل کو دل بنایا ورنہ کیا تھا کچھ نہ تھا
وہ تو میرے سامنے تھے دیکھنے کی دیر تھی — میں نے آنکھیں بند کر لیں ورنہ پردا کچھ نہ تھا

یا الم کوشی رہی یا خود فراموشی رہی
دل کسی دن دل نہ تھا یا درد تھا یا کچھ نہ تھا

کچھ سمجھ کر خود ہی ہم نے جان دیدی دل کے ساتھ
ان کی نظروں کا ابھی ایسا تقاضا کچھ نہ تھا

آپ کا دیوانہ تھا یہ ادعا باطل سہی
فانی دیوانہ دیوانہ بھی تھا یا کچھ نہ تھا

خون ناحق کا گلہ تھا کچھ ادب کا جوش تھا
لاش کی صورت زباں تھی اور میں خاموش تھا

نور برق معرفت بخشا دل آگاہ نے
ورنہ پہلے سوز غم اک شعلۂ بیہوش تھا

ہائے کیا دن ہیں کہ نقش سجدہ ہے اور سر نہیں
یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور وبال دوش تھا

عشق کی دنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی
تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا

دل کی ہر کروٹ میں اک دنیا بنی اک مٹ گئی
ہائے ان دو خون کی بوندوں میں کتنا جوش تھا

سرگزشت عمر کہیے اس کو یا روداد عشق
دل کے لب جنبش میں تھے اور میں سراپا گوش تھا

کیا یہ فانی کر رہا تھا عالم ہستی کی سیر
آگے آگے بیخودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا

مشغلہ چاہیئے کوئی غم و راحت کے سوا
حسرت اب کوئی نہیں صبر کی حسرت کے سوا

جب یہ کہتا ہوں محبت ہی سوا ہوتی ہے
غم کوئی اور عنایت ہو محبت کے سوا

کیا ہوئیں داور محشر وہ خطائیں میری
کچھ نہیں فرد عمل میں تری رحمت کے سوا

خوشی سے رنج کا بدلا یہاں نہیں ملتا
وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈھیئے اس کا نشاں نہیں ملتا
جبیں ملے تو ملے آستاں نہیں ملتا

مجاز اور حقیقت کچھ اور ہے یعنی
تری نگاہ سے تیرا بیاں نہیں ملتا

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب لگا دے آگ
کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تاب رنج زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا

تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے
کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا

بتا اب اے جرس دور میں کدھر جاؤں
نشانِ گردِ رہِ کارواں نہیں ملتا

مجھے بلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی
وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا

تجھے خبر ہی ترے تیرِ بے پناہ کی خیر
بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا

کسی نے تجھ کو نہ جانا مگر یہ کم جانا
یہ راز ہے کہ کوئی رازداں نہیں ملتا

مجھے عزیز سہی قدرِ دل تمہیں کیوں ہو
کمی تو دل کی نہیں دل کہاں نہیں ملتا

دیارِ عمر میں اب قحطِ مہر ہے فانیؔ
کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

بیگانۂ اختیار . . . ہو جا
راضی برضائے یار ہو جا

جینے کو یہ آسرا بہت ہے
اچھا ہے امیدوار ہو جا

غیرت ہو تو غم کی جستجو کر
ہمت ہو تو بے قرار ہو جا

اے درد یہ چٹکیاں کہاں تک
اُٹھ اور جگر کے پار ہو جا

ماتم کدۂ وفا ہے عالم
فانیؔ دلِ سوگوار ہو جا

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

جلوہ محسوس سہی آنکھ کو آزاد تو کر
قیدِ آدابِ تماشا بھی تو محفل سے اٹھا

پھر تو مضرابِ جنوں سازِ انا لیلیٰ چھیڑ
ہائے وہ شورِ انا القیس کہ محمل سے اٹھا

اختیار ایک ادا تھی مری مجبوری کی
لطفِ سعیِ عمل اس مطلبِ حاصل سے اٹھا

عمرِ امید کے دو دن بھی گراں تھے ظالم
بارِ فردا نہ ترے وعدۂ باطل سے اٹھا

خبرِ قافلۂ گم شدہ کس سے پوچھوں
اک بگولہ بھی نہ خاکِ رہِ منزل سے اٹھا

ہوش جب تک ہے گلا گھونٹ کے مر جانے کا
دمِ شمشیر کا احساں ترے بسمل سے اٹھا

موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آساں نہ تھی — زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اُٹھا

کس کی کشتی تہ گرداب فنا جا پہنچی
شور لبیک جو فانی لب ساحل سے اُٹھا

دل کی کایا غم نے وہ پلٹی کہ تجھ سا بن گیا — درد میں دل ڈوب کر قطرے سے دریا بن گیا
انکے آغوش مشیت میں ہے ناکامی مری — کام کچھ اس طرح بگڑا ہے کہ گویا بن گیا
دل کی رت ایسی تو یاد یار نے بدلی نہ تھی — یہ چمن اجڑا ہی اس ڈھب سے کہ صحرا بن گیا
نقش موہوم حیات افسانہ در افسانہ تھا — جب یہ نقش ابھرا تو اک حرف تمنا بن گیا
لو مبارک لذت غم بھی ہے اب تو ناگوار — دل محبت میں جو بننا چاہیئے تھا بن گیا
جلوۂ کثرت خود اپنا شوق بے اندازہ تھا — محمل لیلےٰ مری نظروں میں لیلا بن گیا

میری محرومی بھی رُسوا ہے کہ فانی حال دل
ان کے کانوں تک نہ پہنچا اور فسانہ بن گیا

نذر درد دل غم دنیا کیا — اک مٹایا داغ اک پیدا کیا
رونمائے جوش حیرت تھی نگاہ — آئینہ منھ آپ کا دیکھا کیا
بجلیاں بھر دیں نگاہ یار میں — تو نے آہ آتشیں یہ کیا کیا
وسعت دل تھی بقدر داد عشق — قطرہ دریا تھا جسے دریا کیا
نالہ کیا ہاں اک دھواں سا شام ہجر — بستر بیمار سے اٹھا کیا
سخت نازک تھا مزاج درد عشق — دل فدائے حسن بے پروا کیا

زیست تھی بیکار فانی دل کے بعد
جان بھی قربان کی اچھا کیا

آشنا رسم جنوں سے نہیں سودا اپنا — عالم ہوش کا ہر ذرہ ہے صحرا اپنا
حسن بیتاب تجلی ہے اور آنکھیں محرم — تھا مگر شوق ہی انکار تقاضا اپنا

کیوں فلک یہ کوئی گردش ہے گردش کہ ہنوز — تجھ سے بدلا نہ گیا رنگِ تمنّا اپنا
جا کے شاید پلٹ آتا ہوں کہ منزل کے قریب — نظر آتا ہے مجھے نقشِ کفِ پا اپنا
دلِ ناکام تری یاد سے نومید نہیں — گل بداماں ہے ابھی خارِ تمنّا اپنا
عجزِ نظارہ ترے حسن کا پردہ ہے تو خیر — اسی پردے سے دکھا دے رُخِ زیبا اپنا

دلِ بیتاب کو پیغامِ سکوں ہے فانیؔ
چشمِ بد دور غمِ حوصلہ فرسا اپنا

جمالِ خود رُخِ بے پردہ کا نقاب ہوا — نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہوا
ملا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض — وہ ایک لمحۂ ہستی کہ صرفِ خواب ہوا
سکونِ قلب میسر ہی موت ہی سے سہی — غرض کہ خاتمۂ رنجِ اضطراب ہوا
وہ جلوہ مفت نظر تھا نظر کو کیا کہئے — کہ پھر بھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہوا
الٹ گئی مری امید و بیم کی دنیا — یہ کیا نظامِ تمنّا میں انقلاب ہوا
گناہگار سہی دل مگر قصور معاف — ظہورِ شوق بہ اندازۂ حجاب ہوا

قضا کو مژدۂ فرصت کہ فانیؔ مہجور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہوا

جلوۂ عشق حقیقت تھی حسنِ مجاز بہانہ تھا — شمع جسے ہم سمجھے تھے شمع نہ تھی پروانہ تھا
شعبدے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں — آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی افسانہ تھا
عہدِ جوانی ختم ہوا اب مرتے ہیں نہ جیتے ہیں — ہم بھی جیتے تھے جبتک مر جانے کا زمانہ تھا
دل اب دل ہے خدا رکھے ساقی کو میخانے کو — ورنہ کسے معلوم نہیں ٹوٹا سا پیمانہ تھا

فانیؔ گو کیسا ہی سہی پھر بھی تجھی سی نسبت تھی
دیوانہ تھا، تھا کس کا، تیرا ہی دیوانہ تھا

بوئے خزاں سے مست ہیں یاد نہیں بہار کیا — ہم تو چمن پرست ہیں پھول کہاں کے خار کیا

دل ہی تری نگاہ تک جان ہی اک آہ تک حوصلۂ امید کیا ظرف امیدوار کیا
محو فروغ ذات ہوں بیخبر صفات ہوں کوئی ہو شمع بزم کیا شمع سر مزار کیا
ہوش سے احتراز کر فاش نہ غم کا راز کر دغدغۂ حساب کیوں شکوۂ روزگار کیا
حد سے سوا جفا سہی مجھ پہ ہی غیر پر نہیں جوشش سیل گریہ کون ضبط کو ناگوار کیا
جو غم بے اثر نہ ہو جو شب بے سحر نہ ہو وہ غم انتظار کب وہ شب انتظار کیا
اپنے کمال شوق پر حشر کا دل ہے منحصر وعدۂ دید چاہئے زحمت انتظار کیا
کھیل تھا سب امید کا یہ نہ رہی تو کچھ نہ تھا آرزوؤں کی کیا بساط شوق کا کاروبار کیا

فانی اب اپنی زندگی حسن عتاب یار ہے
دیکھئے مرگ ناگہاں لائے پیام یار کیا

میں ندامت جان کر خوش ہوں یہ منظر دیکھنا وہ مجھے تڑپا کے تیرا پھر نہ مڑ کر دیکھنا
دیدنی ہے رنگ دل میں ڈوب کر کھنچنے کے بعد تم ابھی کیا دیکھتے ہو تھم کے خنجر دیکھنا
ذکر خورشید قیامت سن کے واعظ کیا کہوں خیر اس تردامنی کو روز محشر دیکھنا
ماسوائے دل میں اک ہنگامہ برپا کر گیا چشم کافر کا وہ دل لے کر مکرر دیکھنا
سانس کے جو آخری جھٹکوں میں ٹکڑے ہو گئیں ہائے ان ناشاد آہوں کا مقدر دیکھنا
میری دل کو چین آجانے کی ضامن موت ہے تم کسی دن نبض دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا
مژدہ فصل گل کا لائے تو سہی باد بہار ہر کڑی زنجیر کی زنداں سے باہر دیکھنا
جب ذرا پردے سے جھانکا بجلیاں گرنے لگیں ہے کوئی یہ دیکھنے میں بندہ پرور دیکھنا
تشنہ لب بھی تھا میں ساقی جان سے بیزار بھی ساغر اور پھر زہر سے لبریز ساغر دیکھنا

صبح تک فانی ہے آواز شکست دل کے ساتھ
کیا قیامت تھا وہ تیرا جانب در دیکھنا

جمال بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا کلیم برق طور تھی کہ تار تھا نقاب کا

بتائے نہ حالِ دل نہ حال پوچھتا ہوں میں
مآل پوچھتا ہوں میں دلِ وفا خراب کا

تجلیات وہم ہیں مشاہداتِ آب و گل
کرشمۂ حیات ہے خیال وہ بھی خواب کا

دلِ اذیت آفریں رہینِ امتحاں نہیں
خدائے بے نیاز ہے جہانِ اضطراب کا

خطاب روزِ حشر کی صدائے بازگشت ہوں
جواب بے سوال ہوں سوال بے جواب کا

جہانِ بے سکون میں سکون ہی سکون تھا
مری نگاہ مضطرب ہے راز انقلاب کا

وہ صرفِ صد یقیں سہی حیات پھر حیات ہے
کہاں سے لاؤں اعتبار مرگِ کامیاب کا

کمالِ ہوش ہے یوں بے نیازِ ہوش ہو جانا
ترے آغوش میں بیگانۂ آغوش ہو جانا

ہمیں تیری محبت میں فقط دو کام آتے ہیں
جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

وہی برقِ تجلی کارفرما اب بھی ہے لیکن
نگاہوں کو میسر ہی نہیں بے ہوش ہو جانا

شبِ وعدہ خدا ناکردہ وہ آئیں تو موت آئے
تو پھر اے زندگی تو موت کا آغوش ہو جانا

خدا رکھے شرارِ عشق کو وہ شمعِ سوزاں ہوں
جلے جانا جسے ممکن ہے یا خاموش ہو جانا

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہے
مبارک نکہتِ گل کو چمن بردوش ہو جانا

خدا دشمن کو بھی یہ خوابِ محرومی نہ دکھلائے
ادھر آیا پئے پرسش اور اُدھر خاموش ہو جانا

قیامت ہے یہ ٹکڑا داستانِ عشق کا یعنی
مرے راحت طلب دل کا اذیت کوش ہو جانا

مرقع ہے کسی کی ہستیٔ موہوم کا فانی
وہ ان کا دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا

جلوہ گاہِ نازِ جاناں جب مرا دل ہو گیا
سامنا فانی مجھے دل کا بھی مشکل ہو گیا

مژدۂ تسکیں سے بے تابی کے قابل ہو گیا
دل یہ جب تیری نگاہیں جم گئیں دل ہو گیا

کر کے دل کا خوں کیا بتیا بیاں کم ہو گئیں
جو لہو آنکھوں سے دامن پر گرا دل ہو گیا

سن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا

طور نے جل کر ہزاروں طور پیدا کر دیئے
ذرہ ذرہ میری دل کی خاک کا دل ہو گیا

موت آنے تک نہ آئے اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا

درد فرقت کی خلش وابستۂ انفاس تھی
مدعائے زندگانی مر کے حاصل ہو گیا

دل سراپا درد تھا وہ ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانیؔ درد اب دل ہو گیا

یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا
اس بزم میں ہشیار ہوا بھی نہیں جاتا

کہتے ہو کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے
یہ سن کے تو بیمار ہوا بھی نہیں جاتا

دشواری انکار سے طالب نہیں ڈرتے
یوں سہل تو اقرار ہوا بھی نہیں جاتا

آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت
احباب سے غمخوار ہوا بھی نہیں جاتا

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمیں
اب جان سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا

غم کیا ہے اگر منزل جاناں ہے بہت دور
کیا خاک رہ یار ہوا بھی نہیں جاتا

دیکھا نہ گیا اس سے تڑپتے ہوئے دل کو
ظالم سے جفا کار ہوا بھی نہیں جاتا

یہ طرفہ ستم ہے کہ ستم بھی ہے کرم بھی
اب خوگر آزار ہوا بھی نہیں جاتا

سر ہوش برق گرتی وہ ہجوم ناز ہوتا
وہ نظر فریب جلوہ جو نظر نواز ہوتا

خبر اپنی مغفرت کی تو نہیں یہ جانتا ہوں
مری توبہ چاہتی ہے در توبہ باز ہوتا

مرے شوق نے سکھایا اسے شیوۂ تغافل
نہ مجھے نیاز ہوتا نہ وہ بے نیاز ہوتا

وحشت عشق نے جب ہوش میں لانا چاہا
عقل کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا

ہم کو مرنا بھی میسر نہیں جینے کے بغیر
موت نے عمر دو روزہ کا بہانا چاہا

پھر کچھ اے بیخبری تجھ میں کمی ہوتی ہے
درد نے کیا مجھے پھر ہوش میں لانا چاہا

تری ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلے گا
دل اسکے ساتھ نکلے گا اگر یہ دل سی نکلے گا

شبِ غم میں بھی میری سخت جانی کو نہ موت آئی
ترا کام اے اجل اب خنجر قاتل سی نکلے گا

نگاہ شوق میرا مدعا تو ان کو سمجھا دے
مرے منہ سے تو حرف آرزو مشکل سی نکلے گا

کہاں تک کچھ نہ کہیے اب تو نوبت جان تک پہنچی
تکلف برطرف اے ضبط نالہ دل سی نکلے گا

تصور کیا ترا آیا قیامت آگئی دل میں
کہ اب ہر ولولہ باہر مزار دل سی نکلے گا

نہ آئیں گے وہ تب بھی دم نکل ہی جائے گا فانیؔ
مگر مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا

جگر خراش ہے حال ان تباہ حالوں کا
جنھیں مٹا کے رہا حوصلہ خیالوں کا

کیا سوال تو آواز بازگشت آئی
جواب مجھ سے طلب ہے مرے سوالوں کا

جنون شکوۂ بیداد پر خدا کی مار
اثر کے ساتھ گیا اعتبار نالوں کا

تعینات کی حد سے گزر رہی ہے نگاہ
بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والوں کا

کسی کی غم کی کہانی ہے زندگی فانیؔ
زمانہ ایک فسانہ ہے مرنے والوں کا

حجاب اگر من و تو کا نہ درمیاں ہوتا
پیام حسن محبت کی داستاں ہوتا

تری تلاش کا افسانہ گر بیاں ہوتا
رہ مجاز کا ہر ذرہ اک زباں ہوتا

مرا وجود ہے میری نگاہ خود نشناس
وہ راز ہوں کہ نہ ہوتا جو راز داں ہوتا

کمال ضبط غم عشق اے معاذ اللہ
کہیں کہیں سے جو یہ ماجرا بیاں ہوتا

بنائے جلوہ گہ ناز ہے جبین نیاز
جو درد عشق نہ ہوتا تو دل کہاں ہوتا

تمام قوت غم صرف دل ہوئی ورنہ
زمیں زمیں ہی نہ ہوتی نہ آسماں ہوتا

سکون خاطر بلبل ہے اضطراب بہار
نہ موج بوئے گل اٹھتی نہ آشیاں ہوتا

تری جفا کے سوا بھی ہزار تھے انداز
کوئی تو اہل وفا کا مزاج داں ہوتا

مٹا دیا غمِ فرقت نے ورنہ میں فانیؔ
ہنوز ماتمیِ مرگِ ناگہاں ہوتا

محتاجِ اجل کیوں ہے خود اپنی قضا ہو جا
غیرت ہو تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا

اے شوقِ طلب بڑھ کر مضمونِ ادا ہو جا
اے ہمتِ مردانہ راضی بہ رضا ہو جا

آغوشِ فنا میں ہم پروردۂ آفت ہیں
اے فتنۂ دوراں اُٹھ اے حشر بپا ہو جا

ضد اور یہ ضد اے دل اچھا تو خدا حافظ
قربان ہی اس بت پر ہوتا ہے تو جا ہو جا

اس جانِ تمنا سے بے پردہ نہ شکوہ کر
وہ تجھ سی خفا ہے تو جینے سے خفا ہو جا

ہر قافلۂ دل کو تو مژدۂ منزل دے
ہر رہگزرِ غم میں نقشِ کفِ پا ہو جا

یہ دردِ محبت بھی کیا شے ہے معاذ اللہ
میں دردِ محبت سے کہتا ہوں سوا ہو جا

ظالم کا نہ شکوہ کر ظلموں کی نہ پروا کر
تو اپنی وفاؤں کی عزت پہ فدا ہو جا

اس ہستیِ فانی سے کر قطعِ نظر فانیؔ
تو دوست کا طالب ہے دشمن سے جُدا ہو جا

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا
مردانہ وار جی اور مردانہ وار مر جا

دنیا کے رنج و راحت کچھ ہوں تری بلا سے
دنیا کی ہر ادا سے منہ پھیر کر گزر جا

اس بحرِ بیکراں میں ساحل کی جستجو کیا
کشتی کی آرزو کیا ڈوب اور پار کر جا

یہ دعوے خبر سی عصیاں بھی ہے سزا بھی
بیہوش و بیخبر رہ بے خوف و بے خطر جا

کثرت میں دیکھتا جا تکرارِ حسنِ وحدت
مجبورِ یک نظر آ ممتازِ صد نظر جا

یہ میکدہ ہے پاسِ آدابِ میکدہ کر
اوّل خراب آ اور آخر خراب تر جا

گھبرا گیا نظر کی تاریکیوں سے فانیؔ
اے نورِ عشق دل کی گہرائیوں میں بھر جا

دمِ حریف زوالِ غم نہ ہوا
مرتے مرتے یہ درد کم نہ ہوا

جھک گیا تیرے آستاں پہ جو سر پھر کسی آستاں پہ خم نہ ہوا
اس کو میر النصیب کہتے ہیں جو تری زلف خم بہ خم نہ ہوا
نگہِ قہر خاص ہے مجھ پر یہ تو احساں ہوا ستم نہ ہوا
رہ گئی حسرت وفا باقی دل کو اندازۂ ستم نہ ہوا
اب کرم ہے تو یہ گلہ ہے مجھے کہ مجھی پر ترا کرم نہ ہوا
عشق میں زندگی کا ساری عمر کوئی ساماں ہی بہم نہ ہوا
بُت نے ہر رنگ میں خدائی کی دل مگر دیر سے حرم نہ ہوا

دم بھی فانی کسی کے غم تک ہے
دم نہ ہوگا اگر یہ غم نہ ہوا

جیب و داماں کی حقیقت کا جو عرفاں ہو گیا جا پڑیں جس تار پر نظریں رگ جاں ہو گیا
ماسوا کی راہ سے جانا پڑا ہی سوئے دوست کفر بھی دل کی بدولت جزو ایماں ہو گیا
دشنۂ غم کو مبارک نذر خون آرزو زیست کو مژدہ کہ مرجانے کا ساماں ہو گیا
ان کے دیکھے تک ہی دل کے آئینہ کی بھی نمو دیکھ لینا پھر کہ دل تصویر جاناں ہو گیا
اس دل مایوس کی ویرانہ سازی کچھ نہ پوچھ اس نے جب اُدر جو چمن تاکا بیاباں ہو گیا
اس کے دامن سے اُلجھتا ہی رہا بے دست شوق یہ بھی دیوانے کوئی میرا گریباں ہو گیا
جو بہ فتوائے خرد مجنوں نہ ہو کامل نہیں حیف وہ آزاد جو محرم زنداں ہو گیا
ادّعائے ضبط غم بالکل بجا یکسر درست اور جو دل کا حال چہرے سے نمایاں ہو گیا

یاد ہے فانی تجھے کوئی کہانی اور بھی
ختم کر افسانۂ غم دل پریشاں ہو گیا

گل میں وہ اب نہیں ہی جو عالم تھا خار کا اللہ کیا ہوا وہ زمانہ بہار کا
ہر ذرّہ جلوہ گاہ ہی ہر دل ہے چشم شوق اللہ رے اہتمام تماشائے یار کا

پاتا ہوں آج بھی خلشِ نوکِ خار میں
بھولا نہیں ہوں لطفِ تبسم بہار کا

تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم
آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا

آئی ہے اے نسیم تو اس وقت تک ٹھہر
جب تک بجھے چراغ ہمارے مزار کا

میں نزع میں ہوں عہدِ وفا کا محل نہیں
وعدہ نہ کر کہ وقت نہیں اعتبار کا

جو تیری یاد میں نہ بسر ہو وہ ہر نفس
اک واہمہ ہے زندگیٔ مستعار کا

یہ دردِ لاعلاج محبت دوا بھی ہے
تھا ورنہ کچھ علاج غمِ روزگار کا

فانی یقین وعدۂ فردا کو کیا کہوں
اب زندگی ہے نام فقط انتظار کا

یوں نظمِ جہاں درہم و برہم نہ ہوا تھا
ایسا بھی ترے حسن کا عالم نہ ہوا تھا

پھر چھیڑ دیا وسعتِ محشر کی فضا نے
سودا ترے وحشی کا ابھی کم نہ ہوا تھا

یا عشرتِ دوروزہ تھا یا حسرتِ دیروز
وہ لمحۂ ہستی جو ابھی غم نہ ہوا تھا

صد حیف وہ گل ہو کفِ گلچیں میں جو اب تک
آزردۂ آویزشِ شبنم نہ ہوا تھا

قاتل ہی مرا کیوں اسے کہتا ہے زمانہ
مانا وہ شریکِ صفِ ماتم نہ ہوا تھا

راز آج مرے دم سے ہوا رازِ محبت
کچھ راز نہ تھا جب کوئی محرم نہ ہوا تھا

پاتے ہی خجل رحم کا دریا امڈ آیا
پردہ مری آنکھوں کا ابھی نم نہ ہوا تھا

رسوا نہ کر اس سوز کو اے شمعِ لبِ گور
جو واقفِ دلسوزیٔ ہمدم نہ ہوا تھا

گھر خیر سے تقدیر نے ویرانہ بنایا
سامانِ جنوں مجھ سے فراہم نہ ہوا تھا

اک کفرِ سراپا نے کیا حشر کا قائل
میں معتقدِ حشرِ مجسم نہ ہوا تھا

ہر دل میں نئی شانِ تجلی ہے کہ فانی
نشتر ہے وہ انداز جو مرہم نہ ہوا تھا

ستم گردشِ ایام اٹھا
ہر سحر اٹھ کے غمِ شام اٹھا

تم جسے ذرّے اٹھا دیتے تھے — آج دنیا سے وہ ناکام اٹھا
عشق کا ایک تصور اور سہی — موت کے سر سے تو الزام اُٹھا
ابر اٹھا سمتِ حرم سے زاہد — توبھی سجادہ الٹ جام اُٹھا
ہل گئی پھر مرے دل کی دنیا — درد پھر لے کے ترا نام اٹھا

دنیائے حسن و عشق میں کس کا ظہور تھا — ہر آنکھ برق پاش تھی ہر ذرہ طور تھا
میری نظر کی آڑ میں ان کا ظہور تھا — اللہ ان کے نور کا پردہ بھی نور تھا
تھی ہر تڑپ سکون کی دنیا لئے ہوئے — پہلو میں آپ تھے کہ دل ناصبور تھا
ہم کشتگانِ غم پہ یہ الزام زندگی — بے مہر کچھ تو پاسِ حقیقت ضرور تھا
بالیں پہ تم جب آئے تو آئی وہ موت بھی — جس موت کے لئے مجھے جینا ضرور تھا
تھی ان کے روبرو بھی وہی شان اضطراب — دل کو بھی اپنی وضع پہ کتنا غرور تھا
لطفِ حیات بے خلشِ مدعا کہاں — یعنی بقدرِ تلخیِ صہبا سرور تھا

اُٹھ کر چلے تو حشر بھی اُٹھنا تھا کیا ضرور
ان کی گلی سے مدفنِ فانیؔ تو دور تھا

دم کیا تنِ بسمل سے آسان نکل آیا — ارمان بھرے دل سے ارمان نکل آیا
وحشت کی بدولت ہم جس گھر سے نکل آئے — اس گھر سے تباہی کا سامان نکل آیا
تم شامِ شب فرقت بے ساختہ آ نکلے — یا کفر کے پردے سے ایمان نکل آیا
ہم عرصۂ ہستی سے گزرے بھی تو کیا گزرے — اک اور قیامت کا سامان نکل آیا

آنکھوں کی خطا فانیؔ محشر میں عطا ٹھہری
طوفان اٹھا یا تھا احسان نکل آیا

سنگِ در دیکھ کے سر یاد آیا — کوئی دیوانہ مگر یاد آیا

پھر وہ اندازِ نظر یاد آیا / چاکِ دل تا بہ جگر یاد آیا
ذوقِ اربابِ نظر یاد آیا / سجدۂ بے منتِ سر یاد آیا
ہر تبسم پہ یہ کھاتا ہوں فریب / کہ انھیں دیدۂ تر یاد آیا
پھر ترا نقشِ قدم ہے درکار / سجدۂ راہ گزر یاد آیا
جمع کرتا ہوں غبارِ رہِ دوست / سرِ شوریدہ مگر یاد آیا
ہائے وہ معرکۂ ناوکِ ناز / دل بچایا تو جگر یاد آیا
آئینہ اب نہیں دیکھا جاتا / میں بعنوانِ دگر یاد آیا
درد کو پھر ہے مرے دل کی تلاش / خانہ برباد کو گھر یاد آیا

اس کو بھولے تو ہوئے ہو فانیؔ
کیا کروگے وہ اگر یاد آیا

اللہ رے فسوں گری تری آنکھوں کا اشارا / پھر دل نے لیا دردِ محبت کا سہارا
موجوں سے بھی گزرے تہِ دریا کو بھی دیکھا / ملتا ہے کہیں بحرِ محبت کا کنارا

احساسِ محبت ہی مری موت ہے فانیؔ
اس زندگیِ دل نے مجھے جان سے مارا

کیا چھپاتے کسی سے حال اپنا / جی ہی جب ہو گیا نڈھال اپنا
ہم ہیں اس کے خیال کی تصویر / جس کی تصویر ہے خیال اپنا
وہ بھی اب غم کو غم سمجھتے ہیں / دور پہنچا مگر ملال اپنا
تو نے رکھ لی گناہ گار کی شرم / کام آیا نہ انفعال اپنا
دیکھ دل کی زمیں لرزتی ہے / یادِ جاناں قدم سنبھال اپنا
باخبر ہیں وہ سب کی حالت سے / لاؤ ہم پوچھ لیں نہ حال اپنا
موت بھی تو نہ مل سکی فانیؔ / کس سے پورا ہوا سوال اپنا

ردیف (ب)

پھر دل بیتاب ہی آرام جان اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمان اضطراب

ہم ہوئے جاتے ہیں قائل آہ کی تاثیر کے
اس نے کیا کیا کہہ کر بڑھا دی آج شان اضطراب

کب سے آغوش لحد میں ہم ہیں سرتاپا قرار
وہ ستم پرور ہی اب تک بدگمان اضطراب

مجھ کو مضطر دیکھ کر ان کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہیں وہ نگاہیں راز دان اضطراب

اشک ایک ایک کر کے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشان اضطراب

وقت عرض حال دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجئے آغاز کیوں کر داستان اضطراب

اضطراب دل کے شکووں نے کیا اللہ اثر
بے نیاز نطق ہی گویا زبان اضطراب

راز ضبط غم الٰہی کس نے افشا کر دیا
ہو نہیں میری خموشی پر گمان اضطراب

سینۂ **فانی** ہے یا جولانگہ برق فنا
دل ہی یا رب یا بلائے آسمان اضطراب

عشق ہے پرتو حسن محبوب
آپ اپنی ہی تمنا کیا خوب

طلب محض ہے سارا عالم
کوئی طالب ہی نہ کوئی مطلوب

قلب، ادراک، دماغ اور حواس
مجھ سے منسوب ہیں تجھ سے مغلوب

ردیف (ت)

پھر فریب سادگی ہی رہنمائے کوئے دوست
مٹنے والی آرزوئیں لے چلیں پھر سوئے دوست

مانگتا ہوں آب خنجر سے سوا خنجر کی خیر
کچھ گراں جانی مری کچھ قوت بازوئے دوست

اب مجھی کو طول شام ہجر کا شکوہ بھی ہے
خود ہی چھیڑی تھی حدیث طرۂ گیسوئے دوست

آسماں کا شکر واجب ہی گلہ جائز نہیں   آسماں سی ملتی جلتی ہی جہاں تک غمِ دوست

رنگ و بوئے دہر کا مفہوم یوں سمجھی سہی
میری مسلک میں ہی فانی رنگِ دل یا بوئے دوست

ردیف (د)

فغاں کے پردے میں سن میری داستاں صیاد   کہ پھر رہے نہ رہے طاقتِ بیاں صیاد
ترا اشارہ ترا ساز برق سی نہ سہی   تجھے خبر ہے کہ جلتا ہے آشیاں صیاد
نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہوں میں   بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیاں صیاد
بس ایک آہِ جہاں سوز کے اثر تک ہیں   یہ خار۔ برق۔ قفس۔ دام آسماں صیاد
نکل ہی جائیں گے نالے دہن سی خوں ہو کر   زباں نہیں تو کھلے گی رگِ زباں صیاد
ستم رسیدۂ آوازۂ بیاں ہوں میں   قفس میں کھینچ کے لائی مری زباں صیاد
چمن میں دل ہی تو میری نگاہ میں ہے چمن   چمن سے تو مجھے لے جائے گا کہاں صیاد

یہ جذب ذوقِ اسیری ہی ورنہ اے فانی
کہاں میں سوختہ دل منت پر کہاں صیاد

کیا کہئے کہ بیداد ہے تیری بیداد   طوفانِ محبت کی ہے زد میں فریاد
دل محشرِ بے خودی ہے اللہ اللہ   یا اور کسی بھول جانے والے کی یاد
پابندیٔ رسم ہر طرف کیوں اے موت   ان کے بھی کئے ہیں تونے قیدی آزاد
اللہ یہ بجلیاں نہ کام آئیں گی   آندھی ہی سے کیوں ہو آشیانہ برباد

دنیا جسے کہتا ہے زمانہ فانی
ہے ایک طلسمِ اجتماعِ اضداد

آخر کوئی امید اثر بھی دعا کے بعد — کچھ آپ بھی کہیں گے مری التجا کے بعد
کیا جانے کیا بلا ہے وہ انداز التفات — دنیا بدل گئی نگہِ آشنا کے بعد
فکر وفائے عہد تمھاری بلا کرے — جیتا ہے کون وعدۂ صبر آزما کے بعد
لنگر کا آسرا ہے نہ تائیدِ ناخدا — میرے سپرد ہے مری کشتی خدا کے بعد
اللہ رے اعتماد نوازش کہ ہے مجھے — امید لطف ہر ستم نارواکے بعد
شکوہ ہے اپنے کشتۂ بیداد سے انھیں — دیکھا نہ انتظار تلافی جفا کے بعد

فانی اسی خلش سے عبارت ہے یاد دوست
جو انتہا کی زد میں ہو ابتدا کے بعد

ردیف (ر)

حیراں ہوں رنگ عالم تصویر دیکھ کر — کیا یاد آگیا مجھے زنجیر دیکھ کر
قسمت کے حرف سجدۂ در سے مٹا تو دوں — دل کانپتا ہے شوخی تدبیر دیکھ کر
ہے ہے وہ اہل ذوق کی زنداں نوازیاں — سر پیٹتا ہوں خانۂ زنجیر دیکھ کر
وہ بے وفا جفا سے بھی اب آشنا نہیں — کیا منفعل ہوں آہ کی تاثیر دیکھ کر

فانی وداع ہوش ہی کرنا پڑا مجھے
تن سے وداع روح میں تاخیر دیکھ کر

خدا کی رحمتیں نازل ہوں عشق فتنہ ساماں پر — یہ دردِ بے دوا احسان ہے تقدیر درماں پر
ستم ہائے نمایاں سے نوازش ہائے پنہاں تک — شباب آتے ہی ہر آفت گزر جاتی ہے انساں پر
غم امید کے صدقے وہ اضمحلال رنگیں ہوں — بہار آنے سے کچھ پہلے جو چھا جائے گلستاں پر
ٹھہرائے نشتر حرماں ٹھہر یہ ماجرا کیا ہے — مجھے کچھ جان کا دھوکا سا ہوتا ہے رگ جاں پر

یہ محشر ہی یہاں جو چاک ہی رحمت بداماں ہی — وہ دنیا تھی جو خوشی ہی رہی ہر چاک داماں پر
متاع یک جہانِ آرزو جو چند گھڑیاں تھیں — سو وہ ایک اک گھڑی بھاری ہی اب تابِ ہجراں پر

مری دیوانگی کی شرح میرا ہوش ہی فانی
گریباں ہے مگر وحشت برستی ہی بیاباں پر

عشق عشق ہو شاید حسن میں فنا ہو کر — انتہا ہوئی غم کی دل کی ابتدا ہو کر
دل ہمیں ہوا حاصل درد میں فنا ہو کر — عشق کا ہوا آغاز غم کی انتہا ہو کر
نامراد رہنے تک نامراد جیتے ہیں — سانس بن گیا ایک ایک نالۂ نارسا ہو کر
اب ہوئی زمانہ میں شیوۂ وفا کی قدر — عالم آشنا ہے وہ دشمن آشنا ہو کر
اور بندے ہیں جن کو دعوے خدائی ہی — تھی ہماری قسمت میں بندگی خدا ہو کر
عمر خضر کے انداز ہر نفس میں پاتا ہوں — زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر
بڑھتا ہی نہ گھٹتا ہی مرتے ہیں نہ جیتے ہیں — درد پر خدا کی مار دل میں رہ گیا ہو کر
کارگاہ حسرت کا حشر کیا ہوا یارب — داغ دل پہ کیا گزری نقش مدعا ہو کر
عشق سے ہوئے آگاہ صبر کی بھی حد دیکھی — خاک میں ملا دوگے دیر آشنا ہو کر
کی قضائے مبرم نے زندگی کی غمخواری — درد کی دوا پہنچی درد بے دوا ہو کر

زندگی سے ہو بیزار فانی اس سے کیا حاصل
موت کو منا لوگے جان سے خفا ہو کر

کر نہ فریاد خموشی میں اثر پیدا کر — درد بن کر دل بے درد میں گھر پیدا کر
میں دعا موت کی مانگوں تو اثر پیدا کر — ورنہ یارب شب فرقت کی سحر پیدا کر
تہ میں جا سطح سے تو قطع نظر کر کے دیکھ — قطرے قطرے میں سمندر ہی نظر پیدا کر
جتنے غم چاہے دیئے جا مجھے یارب لیکن — ہر نئے غم کے لئے تازہ جگر پیدا کر
یا اسے کر کسی بجلی کے حوالے یارب — یا مرے نخل تمنا میں ثمر پیدا کر

دل مایوس کو اے عہد کرم شاد نہ کر — نازپروردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر
اے تقاضائے خرد مجھ پہ یہ بیداد نہ کر — میں ہوں دنیائے محبت مجھے برباد نہ کر
روح ارباب محبت کی لرز جاتی ہے — تو پشیمان نہ ہو اپنی جفا یاد نہ کر
غم ہستی ہی سہی تیرے سوا کوئی ہو — دل کہ بستی ہے تری غیر سے آباد نہ کر
خامشی عین فغاں ہونے نہ پائے اے دل — اور جو فریاد ہی کرنا ہے تو فریاد نہ کر
صبر شایان محبت تو نہیں ہے لیکن — شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نہ کر

دل کی حد سے اثر زیست نہ گزرے فانیؔ
ہوش لازم ہے مگر ہوش کو آزاد نہ کر

گزرے گی اب نہ غم کا مداوا کیے بغیر — بنتی نہیں اجل سے تقاضا کیے بغیر
دل کامیاب شوق ہے بے منت نگاہ — جلوے ہیں دل فریب تماشا کیے بغیر
اللہ رے اعتماد محبت کہ آج تک — ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کیے بغیر
وہ جان ہی نہیں جو نہ ہو جائے نذر دوست — دل ہی نہیں ہے اس کی تمنا کیے بغیر
ممکن نہیں ہے راحت دنیا کی آرزو — غم پر گمان راحت دنیا کیے بغیر
اس ضبط و احتیاط پہ رسوا ہے راز عشق — پردے میں حسن دوست ہے پیدا کیے بغیر

لازم سی ہے حیات کہ فانیؔ مفر نہیں
جینے کی تلخیوں کو گوارا کیے بغیر

ہر تبسم کو چمن میں گریہ ساماں دیکھ کر — جی لرز جاتا ہے ان غنچوں کو خنداں دیکھ کر
آخر آخر ہوش ہی وحشت بھی تھا حیرت بھی تھا — دل کو عالم آفریں صحرا بداماں دیکھ کر
شیوہ اپنا غم پرستی قبلہ اپنا خاک دل — روح غم کو پیکر خاکی میں انساں دیکھ کر
ہر تسلی سے سوا ہوتی گئی دل کی تڑپ — درد کچھ سے کچھ ہوا ساماں درماں دیکھ کر
اس کو انعام خودی اور اس پہ لطف بیخودی — وہ کرم کرتے ہیں ظرف اہل عرفاں دیکھ کر

معنیٔ صورت میں ہمنے تیری صورت دیکھ لی
تیری قدرت دیکھ لی انساں کو انساں دیکھ کر

قبر فانی پر ہیں وہ برچیدہ دامن اے نسیم
منتشر کر خاک لیکن ان کا داماں دیکھ کر

جی ڈھونڈھتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

شاید میں در خور نگہ گرم بھی نہیں
بجلی تڑپ رہی ہے مری آسماں سے دور

وہ پوچھتے ہیں اور کوئی دیتا نہیں جواب
کس کی وفا ہے دسترس امتحاں سے دور

آنکھیں چرا کے آپ نے افسانہ کر دیا
جو حال تھا زباں سے قریب آسماں سے دور

ہے منع راہ عشق میں دیر و حرم کا ہوش
یعنی کہاں سے پاس ہے منزل کہاں سے دور

تا عرض شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

فانی دکن میں آ کے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

نہ چاہا حسن کی فطرت نے کوئی داغ دامن پر
رہا محشر میں اپنا خون ناحق اپنی گردن پر

قیامت کی کشش رکھتے ہیں دانے میرے خرمن کے
کہیں کی بجلیاں ہوں آ کے چھا جاتی ہیں خرمن پر

محبت میں ہمیں جی کھول کر رونا نہیں آتا
جو چار آنسو ہیں آنکھوں میں تو دو آنسو ہیں دامن پر

بنایا تھا نشیمن شاخ گل پر کس گھڑی یارب
بجھی جاتی ہے ہر برق بلا شاخ نشیمن پر

مجھے کھینچے لئے جاتا ہے کیا جانے کہاں کوئی
نہ کچھ احسان رہبر ہے نہ کچھ الزام رہزن پر

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں دوستوں کو اور نہیں پاتیں
نظر اٹھتی ہے اب جس دوست پر پڑتی ہے دشمن پر

ہنسی آتی ہے تیری سادگی شوق پر فانی
وہ میت ہی پہ کب آئے جو اب آئینگے مدفن پر

ردیف (ز)

کون اٹھائے مری وفا کے ناز — دل ستم دوست وہ رقیب نواز
اب نئے سر سے چھیڑ پردۂ ساز — میں ہی تھا ایک دکھ بھری آواز
کھل گیا میری زندگی کا راز — اے شب ہجر تیری عمر دراز
صور و منصور و طور اے توبہ — ایک ہے تیری بات کا انداز
دیکھئے کیا ہو عشق کا انجام — دل کی ہستی ہے موت کا آغاز
رہ گئی تھی جو بازوؤں میں سکت — ہو گئی صرف ہمت پرواز

آج روز وصال فانی ہے
موت سے ہو رہے ہیں ناز و نیاز

دور لے جا مٹا کے سرحد ناز — دل ہے آوارۂ حدود نیاز
ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم — میری ہستی ہے غیب کی آواز
ہوں اسیر فریب آزادی — پر ہیں اور مشق حیلۂ پرواز
آج اچھے نہیں الہٰی خیر — درد کے تیور آہ کے انداز
کیوں فلک انتہا ہوئی کہ نہیں — ایک دم رہ گیا ہے اب دمساز
ہر کوئی شے تو یار و جلوۂ یار — یہ حقیقت ہے اور یہ اصل مجاز
ہاں یہاں کوئی شے نہیں باطل — عشق ہے راز عقل پردۂ راز
اپنی صبر آزما نظر کو سنبھال — ہم ہیں مجبور آہ صبر گداز

جان فانی ترے کرم پہ نثار
تو نے بخشی حیات مرگ نواز

اللہ اللہ یہ شان کشتۂ ناز — ہے مری خاک سجدہ گاہ نماز

ہاں شب ہجر آج صبح نہ ہو
ہاں چلی جائے یاد زلف دراز

دھیان تیرا بہشت شوق سہی
دل عاشق ہے ایک دوزخ راز

چشم حاسد مجھے نہ دیکھ سہی
ہوں دلیل بلندی پرواز

آج پہلو میں کیوں ہے سناٹا
کیا ہوئی آہ آہ کی آواز

راس آئے ہیں اشک و آہ کسے
کرنہ آب و ہوائے غم سے ساز

آپ ہی اپنی آڑ میں تو ہے
تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

ہم ہیں اور عزم آشیاں یعنی
رہ گئی دور طاقت پرواز

ہے کہ فانی نہیں ہے کیا کہیے
راز ہے بے نیاز محرم راز

ردیف (ش)

دل چرا کر نگاہ ہے خاموش
ہوش اور مست ہو کے اتنا ہوش

مست کو چاہیئے بلا کا ہوش
خم دئے اور دیا نہ اذن خروش

ہر مسافر سے پوچھ لیتا ہوں
خانہ برباد ہوں کہ خانہ بدوش

ہوس جلوہ اور نظر غافل
کہ نظر ہے صلائے جلوہ فروش

شائد اب منزل عدم ہے قریب
یاد خاک وطن ہے طوفاں جوش

فضل تیرا شفیع طاعت و زہد
عدل عاصی نواز و عصیاں پوش

ہجر نے کی مفارقت فانی
لے مبارک ہو موت کا آغوش

میں ہوں اک مرکز ہنگامۂ ہوش در رم ہوش
دل اگر عالم مستی ہے تو سر عالم ہوش

عدم ہوش یہ ہے فطرت ہستی مائل کس توقع پہ اٹھائے کوئی نازِ غم ہوش
بیخودی مایۂ عرفانِ خودی ہے یعنی محرمِ جلوۂ اسرار ہے نامحرمِ ہوش
کچھ نہ وحدت ہی نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز یہ ترا عالمِ مستی وہ ترا عالمِ ہوش
مظہرِ ہستی و خلاقِ عدم ہی مری ذات کچھ نہ تھا اور نہ بجز سلسلۂ برہمِ ہوش
عجب اک سانحۂ ہوش ربا تھی وہ نگاہ
میں ہوں اک عمر سے فانی ہمہ تن ماتمِ ہوش

برہم ہی میری ذات سے سارا نظامِ عیش ٹوٹا ہی مرے عہد میں نیرنگ نامِ عیش
اب احتیاجِ شکوۂ اختر نہیں مجھے مینائے خونِ عیش سے بھرتا ہوں جامِ عیش
گلشن صلائے عامِ اسیری ہے سربسر پھیلا دیا بہار نے پھولوں پہ دامِ عیش

ردیف (غ)

اب منزلِ فغاں ہے نہ پہلو مکانِ داغ دل رہ گیا ہے نام کو باقی نشانِ داغ
اے عشق خاکِ دل پہ ذرا مشقِ فتنہ کر پیدا اگر اس زمیں سے کوئی آسمانِ داغ
دل کچھ نہ تھا تمہاری نظر نے بنا دیا دنیائے درد عالمِ حسرت جہانِ داغ
پہلے اجل کو رخصتِ تلقینِ صبر دے پھر آخری نگاہ سے سن داستانِ داغ
وہ تیری بزم تھی نہ ملی جس میں چپ کی داد یہ حشر ہی یہاں تو کھلے گی زبانِ داغ
ہم سادہ دل ہیں خوش کہ ہوئی نذرِ دل قبول اس بدگماں کو نظر امتحانِ داغ
سارا ملال پیار کی نظروں سے مٹ گیا ان رہزنوں نے لوٹ لیا کاروانِ داغ
فانی زمینِ گورِ غریباں ہے لالہ زار
پھر فصلِ گل میں خاک ہوئی ترجمانِ داغ

ردیف (ک)

منزلِ عشق ہے نمود وجود ہم بھی ہیں تیری بدگمانی تک
موت ہے ایک وقفۂ موہوم زندگانی سے زندگانی تک
مہربانی کی آس رہنے دے کون جیتا ہے مہربانی تک
ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا بات پہنچی تری جوانی تک
نیند تھی چشمِ نازمیں فانیؔ
ایک بے خواب کی کہانی تک

ردیف (گ)

سیکھئے دل کے چھینے کے ڈھنگ نہ گئی دل کے ساتھ دل کی امنگ
دل ہے اور سحر سازیِ ادراک آنکھ ہے اور فریبِ گردشِ رنگ
تیغِ قاتل تری دہائی ہے میری موت اور یہ دست بردِ رنگ
دین و دنیا سے دیدہ و دل ہیں بزمِ صد رنگ و جلوۂ بے رنگ
شمع ہوں بے نیازِ ظلمت و نور آئینہ ہوں بغیرِ صیقل و زنگ
میں ہوں عالم کو بے دلی کا پیام خیر و شر مدعا نہ صلح نہ جنگ
رازِ نیرنگیِ حقیقت ہوں
میں ہوں فانیؔ حقیقتِ نیرنگ

مایۂ نازِ راز ہیں ہم لوگ محرمِ رازِ ناز ہیں ہم لوگ
بزمِ دل میں دیا نہ عیش کو بار صاحبِ امتیاز ہیں ہم لوگ

ہم سے ملتی ہے برق طور کو داد
وہ تبسم نواز ہیں ہم لوگ

عقل عاجز ہے بے خبر ہے ہوش
چشم بد دور راز ہیں ہم لوگ

حشر امید سے مراد ہیں ہم
گلہ ہائے دراز ہیں ہم لوگ

تیری ناز آفرینیاں ہیں گواہ
کہ سراپا نیاز ہیں ہم لوگ

حسن بے جلوہ کچھ سہی فانیؔ
جلوہ جلوہ ساز ہیں ہم لوگ

ردیف (ل)

ٹھکرا کے اڑا دے پھر ہر ذرہ خاک دل
ہر سجدے سے پیدا کر اک سجدۂ مستقبل

مشکل ہو تو آساں ہو مشکل ہی نہیں شاید
آساں ہی نہیں ہوتی اللہ رے مری مشکل

اک حق کے سوا کوئی ہستی ہی نہ تھی یارب
یوں میرے سر آنکھوں پر تمیز حق و باطل

اس کشتیٔ ہستی کو طوفاں ہی مبارک تھا
گرداب حوادث کے آغوش میں تھا ساحل

ہر دل میں ترا جلوہ ہر لب پہ مرا چرچا
غم زینت صد خلوت غم رونق صد محفل

ردیف (م)

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

دعا تو خیر دعا سے امید خیر بھی ہے
یہ مدعا ہے تو انجام مدعا معلوم

ہوا نہ راز رضا فاش وہ تو یہ کہئے
مرے نصیب میں تھی ورنہ سعی نا معلوم

مری وفا کے سوا غایت جفا کیوں ہو
تری جفا کے سوا حاصل وفا معلوم

کچھ انکے رحم پہ تھی یونہی زندگی موقوف — کہ ان کو راز محبت بھی ہو گیا معلوم
ترے خیال کے اسرار بیخودی میں کھلے — ہمیں چھپا نہ سکے ورنہ دل کو کیا معلوم
فریب امن میں کچھ مصلحت تو ہے ورنہ — سکون کشتی و توفیق ناخدا معلوم
وہ التفات کہ تھا اسکی انتہا بھی ہے — خدا کی مار کہ دل کو یہی نہ تھا معلوم

یہ زندگی کی ہے روداد مختصر فانی
وجود درد مسلم علاج نا معلوم

وادی شوق میں وارفتۂ رفتار ہیں ہم — بیخودی کچھ تو بتا کس کے گنہگار ہیں ہم
ہاں ابھی بے خبر لذت آزار ہیں ہم — مژدہ اے مشق ستم تازہ گرفتار ہیں ہم
ہو غم ہستی جاوید گوارا کیوں کر — جان کیا دیں کہ بہت جان سے بیزار ہیں ہم
میں نے گویا صلۂ مہر و وفا بھر پایا — کاش اتنا ہی وہ کہدیں کہ جفا کار ہیں ہم
حسن حیرت تو میسر ہے تماشا نہ سہی — تیری محفل میں ہیں گو نقش بدیوار ہیں ہم
یوں تو کچھ غم سے سروکار نہ راحت کی تلاش — غم کوئی دل کے عوض دے تو خریدار ہیں ہم

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

راز ناکامی وفا کی قسم — دل جفا دوست ہے خدا کی قسم
جانتا ہوں حقیقت باطل — ماسوا تو ہے ماسوا کی قسم
حسن مطلق بھی ہے حجاب ان کا — اعتبارات بر ملا کی قسم
دل ہے اب التفات کے قابل — بیکسی ہائے مدعا کی قسم
غم فرقت ہے ابتدا دل کی — مالک علم ابتدا کی قسم
نور و ظلمت جدا نہیں ہوتے — آپ کی چشم سرمہ سا کی قسم
عین کشتی ہے راز ہر گرداب — زور بازوئے ناخدا کی قسم

عشق رسوا مجھی کو تھا منظور سعی اظہار ماجرا کی قسم
میں ہوں فانیؔ صحیفہ باقی
حرف بے معنیٔ فنا کی قسم

کیا کہیں کیوں خاموش ہوئے ہیں سن کے تری فرقت کی خبر ہم
نالۂ دل کے جتنے تھے اجزا ہو گئے سارے درہم و برہم
گو بیٹھے بھی اُٹھے بھی ہم محفل دشمن میں تیری خاطر
بیٹھ گئے دل زار کی صورت اُٹھے صورت درد جگر ہم
شکوۂ جور بتاں ہم کرتے ظاہر درد نہاں ہم کرتے
مانا آہ و فغاں ہم کرتے لاتے کہاں سے تجھ کو اثر ہم
کوئی گھڑی اے بیخودی غم دم لینے دے سنبھلنے دے
آ کوئی دم اے ہوش کہ تجھ سے پوچھیں گے کچھ اپنی خبر ہم
دوست تسلی دینے آئے لیکے دوائیں چارہ گر آیا
لیجئے آئی زخم جگر پر اور اک تازہ آفت مرہم
ڈوب ہی جا اے کشتی ہستی کچھ تو ہو آخر ورنہ کہاں تک
بحر تلاطم خیز جہاں میں یونہی رہیں گے زیر و زبر ہم
گھڑیاں اپنی غم کی ہم نے غنچوں میں جل بھر کے گزاریں
آئے تھے فانیؔ باغ جہاں میں گویا مثل نسیم سحر ہم

زندگی کا ہے امتحان انجام حذر اے آہ الاماں انجام
تیرے گھر کی زمیں ارے توبہ ذرہ ذرہ ہے آسماں انجام
حسن ہے جاودان بے آغاز عشق آغاز جاوداں انجام
طبع نازک پہ بار اک حرف حال دل حرف داستاں انجام

اور جو ملجائے دل سے دل یا رب ایک دل کا ہی دو جہاں انجام
کم نہ تھی عمر اک نظر کے لئے عشق تھا مرگ ناگہاں انجام
پوچھتے ہو نشان فانی کیا
وہ ہے اک قبر بے نشاں انجام

ردیف (ن)

یہ دھن ہے تری یاد دھیان ہے تیرا جانے اسے کیا کہتے ہیں
اب ہوش و حواس بھی آٹھ پہر کچھ کھوئے ہوئے سے رہتے ہیں
اچھا ہے اگر دو آگ کے دریا آنسو بن کر رہتے ہیں
آنکھوں میں تو رہ کر یہ فتنے طوفان اُٹھائے رہتے ہیں
تو اور کہیں ہم اور کہیں ممکن جو نہ تھا وہ ممکن ہے
جب سنتے تھے تو ڈرتے تھے اب پڑتی ہے تو سہتے ہیں

مری آنکھوں سے بہنا چاہئے دل کا لہو برسوں رہی ہے ان کو خون آرزو کی آرزو برسوں
جئے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی ترے غم نے بچائی زندگی کی آبرو برسوں
بگا ہونے دلوں میں دل نے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈھا تری دھن میں رہے ہے سودائیاں جستجو برسوں
نقاب جلوہ کی کایا پلٹ دی شوق بیحد نے مری وحشت نے توڑا ہے طلسم رنگ و بو برسوں
تری ایذا پسندی کی ادا بھی کیا قیامت ہے مجھے مرنے نہ دے گی آرزوئے مرگ تو برسوں
ہماری بے کسی کی موت بدلا تھی اسیری کا رہا طوق اسیری بھی گرفتار گلو برسوں
کئے جائیں گے دل کے خاتمے پر شکر کے سجدے وفاؤں نے کیا ہے خون حسرت سے وضو برسوں

نہ چھیڑ اے نامرادی خستۂ امید باطل ہوں — رہا ہے چاک دل آزردۂ مشق رفو برسوں
تجھے اور حال دل سے یہ تجاہل توبہ کر توبہ — کہ تجھ سے میری خاموشی نے کی ہے گفتگو برسوں

مری اک عمر فانیؔ نزع کے عالم میں گزری ہے
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

لطف و کرم کے پتلے ہو اب قہر و ستم کا نام نہیں — دل یہ خدا کی مار کہ پھر بھی چین نہیں آرام نہیں
جتنے منہ ہیں اتنی باتیں دل کا پتہ کیا خاک چلے — جس نے دل کی چوری کی ہے ایک اسی کا نام نہیں
جلوۂ دل میں فرق نہیں جلوے ہی کو اب دل کہتے ہیں — یعنی عشق کی ہستی کا آغاز تو ہے انجام نہیں
رک کے جو سانسیں آئیں گئیں ناکردہ آہیں تھیں لیکن — آپ نے تیور کیوں بدلے آہوں میں کسی کا نام نہیں
عشق کی آزاری بھی کہیں مر جانے سے جی جاتے ہیں — لے یہ تسلی رہنے دے اے موت یہ تیرا کام نہیں
کب سے پڑی ہیں دل میں تیرے فکر کی ساری راہیں بند — برسیں گزریں اس بستی میں رسم سلام و پیام نہیں
حد بھی ہے بیتابیٔ دل کی جانیے اب کیا ہونا ہے — صبر کی حد بھی ہونے آئی صبح نہیں یا شام نہیں
دل ہی پہ اپنا بس نہیں چلتا ان کی شکایت کیا کیجے — آپ ہم اپنے دشمن ٹھہرے دوست پہ کچھ الزام نہیں
دل سے کسی کی آنکھوں تک کچھ راز کی باتیں پہنچی ہیں — آنکھ سے دل تک آیا ہوا سا تو کوئی پیغام نہیں

نزع میں فانیؔ تو نے یہ کس کا چپکے چپکے نام لیا
کیوں او کافر تیری زباں پر اب بھی خدا کا نام نہیں

آ ورنہ جانتا ہوں فریب نظر کو میں — دیکھوں الٹ کے پردۂ داغ جگر کو میں
ہر نقش پا کو دیکھ کے دھنتا ہوں سر کو میں — پہچانتا نہیں ہوں تری رہگزر کو میں
عہد خزاں میں رفتۂ آشوب ہوش ہوں — بھولا ہوا ہوں موسم دیوانہ گر کو میں
گم کردہ راہ ہوں قدم اولیں کے بعد — پھر راہبر مجھے نہ ملا راہبر کو میں
وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو — پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں
مایوس انتظار ہوں مجنون اضطراب — ہنستا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں

بہلا نہ دل نہ تیرگیٔ شام غم گئی ۔۔۔ یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
دو تین ہچکیوں میں دم نزع کہہ گیا ۔۔۔ شرح دراز زندگی مختصر کو میں

فانیؔ دعائے مرگ کی فرصت نہیں مجھے
یعنی ابھی تو ڈھونڈ رہا ہوں اثر کو میں

دل وقف تپش ہی ہائے مگر وجہ تپش دل کوئی نہیں
بسمل ہوں مگر کیوں بسمل ہوں فریاد کہ قاتل کوئی نہیں

کس زعم میں ہی لے رہرو عم دھوکے میں نہ آنا منزل کے
یہ راہ بہت کچھ چھانی ہی اس راہ میں منزل کوئی نہیں

یہ واہمہ تھا یا مشکل تھی کیوں میں نے کہا کیا نادم ہوں
وہ پوچھتے ہیں کیا مشکل ہی کیا کہیئے کہ مشکل کوئی نہیں

بس ان پہ نہ ان کی یاد پہ ہی تقدیر کے کیا کیا پہلو ہیں
تدبیر سے حاصل کچھ بھی نہیں تدبیر سے غافل کوئی نہیں

دریائے محبت بے ساحل اور ساحل بے دریا بھی ہی
جو موج ڈبوئے ساحل ہی یوں نام کا ساحل کوئی نہیں

کہ شیشہ و ساغر بادہ و ساقی گل اور شمع سے قطع نظر
محفل میں یہ رونق کس کی ہی جب صاحب محفل کوئی نہیں

خود حسن کمال حسن ہی یعنی حسن جہاں ہے کامل ہے
اور عشق تمام عشق ہی یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں

جلوۂ غیب شہود ہی پھر بھی غیب کے جلوے غیب میں ہیں
نظارہ نظر میں شامل ہی نظارہ میں شامل کوئی نہیں

ہستی ہی نہیں جو باطل ہو پھر فرق مجاز و حقیقت کیا
یہ عرصٔ حقیقت ہے وہ حقیقت ہستی باطل کوئی نہیں

فانی ہی وہ اک دیوانہ تھا جو موت سے پہلے مر جائے
کیا ہوش کی کافر دنیا میں اس موت کے قابل کوئی نہیں

خراب لذتِ دیدارِ یار ہم بھی ہیں
ترے شریک دلِ بے قرار ہم بھی ہیں

نہ دن کو چین ہے نہ راتوں کو تیری طرح اداس
جلے ہوئے تو چراغ مزار ہم بھی ہیں

امید مرگ ہے باقی تو نا امید نہیں
کہ اپنی وضع کے امیدوار ہم بھی ہیں

کسی کی بزم طرب میں کچھ ایک شمع نہیں
حریف گریۂ بے اختیار ہم بھی ہیں

ادھر بھی دیدۂ عبرت نگاہ ایک نظر
کہ عہد شوق کی اک یادگار ہم بھی ہیں

یہاں بھی ہے دل آگاہ وقف لذت درد
خراب مستی عیش خمار ہم بھی ہیں

زمیں گورِ غریباں یہ اک جگہ نہ ٹھہر
یہیں کہیں نگہ شرمسار ہم بھی ہیں

حجاب ہوش اٹھا اب کوئی حجاب نہیں
خیال یار سے اب ہم کنار ہم بھی ہیں

جنوں نے نہ دی ہمیں راحت وگرنہ اے فانی
نشانۂ الم روزگار ہم بھی ہیں

چھائی ہوئی ہیں دل پر اسرار کی گھٹائیں
رحمت کی بجلیوں سے معمور ہیں فضائیں

رہ جائے کیوں فنا کا ہنگامہ نامکمل
کچھ میری زندگی سے لے لیجئے بلائیں

ہاں اے یقین وعدہ دامن ترا نہ چھوٹے
یہ آسرا نہ ٹوٹے وہ آئیں یا نہ آئیں

دیکھوں سنا کرو گے بیگانہ وار کب تک
تم میری حسرتوں کی خاموش التجائیں

انصاف چاہتا ہوں انصاف ہو رہے گا
بیداد گریہ آہیں خالی گئیں نہ جائیں

کہتے ہو جو درد دل کو تم درد دل سمجھتے
افسانہ کیا سنو گے افسانہ کیا سنائیں

وہ منفعل نگاہیں کیا کہہ گئیں کہ فانی
شرمندۂ اثر ہیں روٹھی ہوئی دعائیں

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں
زخمِ دل پیدا کریں یا زخمِ دل اچھا کریں

دل رہے آلودہ دامن اور ہم دیکھا کریں
آج اے اشکِ ندامت آ تجھے دریا کریں

جسمِ آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح
خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

خون کے چھینٹوں سی کچھ پھولوں کے خاکے ہی سہی
موسمِ گل آ گیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں

جا بجا تغیرِ حالِ دل کے چرچے ہیں تو ہوں
ہم ہوئے رسوا مگر اب ہم کسے رسوا کریں

ہاں نہیں شرطِ مروت حسرتِ تاثیرِ درد
رحم آ ہی جائیگا ان سے تقاضا کیا کریں

شوقِ نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائے گا
ان کو پردہ ہی اگر منظور ہے پردا کریں

ظرفِ ویرانہ بقدرِ ہمتِ وحشت نہیں
لاؤ ہر ذرہ میں پیدا وسعتِ صحرا کریں

مرگ بے ہنگام فانی وجہِ تسکیں ہو چکی
زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں

دل کی ہر لرزشِ مضطر پہ نظر رکھتے ہیں
وہ مری بے خبری کی بھی خبر رکھتے ہیں

درد میں لطفِ خلش کیفِ کشش پاتا ہوں
کیا وہ پھر عزمِ تماشائے جگر رکھتے ہیں

جس طرف دیکھ لیا پھونک دیا طورِ مجاز
یہ ترے دیکھنے والے وہ نظر رکھتے ہیں

خود تغافل نے دیا مژدۂ بیداد مجھے
اللہ اللہ مرے نالے بھی اثر رکھتے ہیں

بے بسی دیکھ یہ سو بار کیا عہد کہ اب
تجھ سے امید نہ رکھیں گے مگر رکھتے ہیں

ہے ترے در کے سوا کوئی ٹھکانا اپنا؟
کیا کہیں تیرے اجاڑے ہوئے گھر رکھتے ہیں

میری نظروں میں تو بے واسطۂ دید ہے تو
میں بہ عنوانِ تجلی بھی تجھے یاد نہیں

دل مشتاق ہے اور بے حسیِ شدتِ شوق
اب یہ گھر تیرے تصور سے بھی آباد نہیں

غم باندازہ غلط عیش باندازہ جرم
دے مجھے وہ دلِ آگاہ کہ ناشاد نہیں

تیرے ناکام کا ہوتا ہے کہیں کام تمام
نیشِ غم ہے یہ کوئی تیشۂ فرہاد نہیں

کون سمجھے اثر جلوۂ مستور کا راز جو سنی جائے محبت کی وہ روداد نہیں
آشیاں پر کرم برق کی باری آئی مژدہ اے ذوق بلا باغ میں صیاد نہیں
صرف عبرت ہے ہر افسانہ ہستی فانی
حرف حسرت کے سوا عالم ایجاد نہیں

فرقت میں تار اشک ہی ہر تار آستیں ہر داغ خوں ہے دیدۂ خوں بار آستیں
رکھ پنجۂ جنوں سے سروکار آستیں کب تک رہیں گے ہاتھ گرانبار آستیں
کل تک جو ہاتھ چشم و چراغ جنوں رہا ہے آج فرط ضعف سے آزار آستیں
انبار آنسوؤں کے ہیں خون جگر کے ڈھیر معمور ہے خزانۂ سرکار آستیں

میری آشفتہ حالیاں نہ گئیں دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں
دل حریف زوال غم نہ ہوا عشق کی بے کمالیاں نہ گئیں
موت بھی زندگی کی حد نہ رہی غم کی بے اعتدالیاں نہ گئیں
میری شیوا نگاہیاں جائیں تیری رسوا جمالیاں نہ گئیں
عشق بے گانۂ مجاز رہا حسن کی بے مثالیاں نہ گئیں
ہوش میں لاکھ انقلاب آئے عقل کی خستہ حالیاں نہ گئیں
موت بھی آ ہی جائے گی فانی
تیری مخزوں خیالیاں نہ گئیں

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں
بے ادب گریۂ محرومی دیدار نہیں ورنہ کچھ در کے سوا حاصل دیوار نہیں
آسماں بھی ترے کوچہ کی زمیں ہے لیکن وہ زمیں جس پہ ترا سایۂ دیوار نہیں
پا سے دینا وہ تری سرمہ تقاضا آنکھیں کیا مری خاک کا ذرّہ کوئی بے کار نہیں

کم ہے ہر ذرۂ خورشید اثر کا دامن
کم ہو آج آنکھ میں اک قطرۂ دریا دامن

یہ مرے دست تظلم کی رسائی یہ نصیب
ہجر میں دامن دل حشر میں ان کا دامن

پست کر حوصلۂ ذوق تماشا کہ ہنوز
دور ہے وہم نظر سے وہ اچھوتا دامن

جو تاب دلنوازی درماں نہ لا سکے
میں ہوں وہ دردِ غم کدۂ روزگار میں

ہو عکس روئے دوست یہ اک پرتو مجاز
میری نظر بھی کھنچ گئی تصویر یار میں

دعویٰ یہ ہو کہ دوری معشوق ہو محال
مطلب یہ ہو کہ قرب نہیں اختیار میں

قربان اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار
وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

زباں مدعا آشنا چاہتا ہوں
دل اب زندگی سے خفا چاہتا ہوں

ادا کو ادا آشنا چاہتا ہوں
تجھی پر تجھے مبتلا چاہتا ہوں

دفا چاہتے ہیں دفا چاہتا ہوں
وہ کیا چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

محبت کو رسوا کیا چاہتا ہوں
نظر محرم التجا چاہتا ہوں

تعین غم عشق کا چاہتا ہوں
انھیں چاہتا ہوں یہ کیا چاہتا ہوں

ترے دل کو درد آشنا چاہتا ہوں
بھلا چاہتا ہوں برا چاہتا ہوں

بہت تنگ ہو وہم ہستی کی دنیا
میں عالم ہی اب دوسرا چاہتا ہوں

شب ہجر تیرا تصور ہی تو ہے
تجھے آج تجھ سے جدا چاہتا ہوں

مری موت ماتم کا حسن طلب ہو
سکوں ایک ہنگامہ زا چاہتا ہوں

خطا ڈھونڈھتا ہوں عطاؤں کے قابل
عطا چاہتے ہیں خطا چاہتا ہوں

پھر اس بزم کو ڈھونڈھتی ہیں نگاہیں
پھر اک شکوۂ برملا چاہتا ہوں

وہ فریاد کا عہد پھر یاد آیا
پھر اک نالۂ نارسا چاہتا ہوں

پھر آدابِ فرقت ہیں ملحوظ یعنی — ہجوم بلا در بلا چاہتا ہوں
پھر اک سجدۂ توبہ کی آرزو ہے — تجھے آپ سے پھر خفا چاہتا ہوں
پھر امیدوارِ کرم ہوں کہ فانیؔ — ستم ہائے شوق آزما چاہتا ہوں

کوئی وجہ تسکین نہیں غم نہ راحت
خدا جانے فانیؔ میں کیا چاہتا ہوں

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا ساماں کرلیں — دلِ بےتاب کو بھی دیدۂ حیراں کرلیں
ہر نفس وقف خیالِ رُخِ جاناں کرلیں — زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کرلیں
دادِ مظلوم نگاہی بھی تو لے لینے دے — ٹھہرے موت کہ قاتل کو پشیماں کرلیں

نہیں کہ دل کی روش میں کچھ انقلاب نہیں — اب اضطراب کی صورت میں اضطراب نہیں
نظر وہی ہے جو محرومِ صد تماشا ہو — وہ دل ہی جانِ تمنا جو کامیاب نہیں
غمِ حبیب پیامِ سکونِ موت سہی — مرے نصیب میں تسکینِ اضطراب نہیں
نگاہِ شوق کی رعنائیوں کا کیا کہنا — مگر خدا کی قسم آپ کا جواب نہیں
مجھے یہ دعوتِ روزِ حساب کیوں یارب — مرے گناہ تو شرمندۂ حساب نہیں
بقدرِ حوصلہ ہے فرق انتظار و فراق — امیدِ خواب نہ تھی آرزوئے خواب نہیں

بہ جانِ فانیؔ مرحوم اب وہ بات کہاں
تری گلی میں جو وہ خانماں خراب نہیں

جز وہم یقین و عین یقیں اس منزلِ آب و گل میں نہیں
یہ عالمِ دل ہے یعنی وہ آنکھوں میں نہیں جو دل میں نہیں
غم خانۂ دل کا کیا کہنا وہ کچھ بھی سہی یہ بات کہاں
خلوت میں یہاں جو جلوت تھی وہ آج تری محفل میں نہیں

سُنتے تھے محبت آساں ہے واللہ بہت آساں ہو مگر
اس سہل میں جو دشواری ہو وہ مشکل سی مشکل میں نہیں

گو راحت و رنج میں فرق نہیں یہ فرق مراتب کیا کم ہے
جو سعی حصول عیش میں ہو وہ عیش غم حاصل میں نہیں

دل خاک ہوا ہر چند مگر پستی کی طرف جو مائل ہو
ایسا کوئی ذرّہ اے دنیا اس خاک فلک منزل میں نہیں

جب ڈوبنے والے ڈوب چکے اور ساحل و دریا ایک ہوئے
پھر لطف امید و بیم کہاں دریا میں نہیں ساحل میں نہیں

اب کس سے جفا کا حال کہیں اب کس سے وفا کی داد ملے
بیداد نہیں غماز نہ ہو آواز شکست دل میں نہیں

جینے کی حدیں ملتی ہیں کہیں یا پائے اجل سے آگے بڑھ
منزل کا نشاں ہے ہر منزل آرام کسی منزل میں نہیں

ہم بھی ہوں خیال یار بھی ہو اس فکر محال سے کیا حاصل
بس اب فانی ہم ہی نہیں یا کوئی ہمارے دل میں نہیں

امید کرم کی ہے ادا میری خطا میں | اک بات نکلتی ہے مری لغزش پا میں
سمجھو تو غنیمت ہے مرا گریۂ خونیں | یہ رنگ ہے پھولوں میں نہ یہ بات حنا میں
جھک جاتے ہیں سجدے میں سر اور پھر نہیں اُٹھتے | کیا سحر ہے کافر ترے نقش کف پا میں
وہ جانِ محبت ہیں وہ ایمان محبت | جو ان کے اشارے ہیں محبت کی ادا میں

پاتا ہوں کچھ آثار تمنّا ابھی فانی
کھوئی ہوئی دُنیا ہے مری دل کی فضا میں

اُن کے آگے جب یہ آنکھیں ڈبڈبا کر رہ گئیں | وہ حیا پرور نگاہیں مسکرا کر رہ گئیں

کچھ جفاؤں کی تلافی کچھ وفاؤں کا صلہ — وہ ادائیں صبر ہی صبر آزما کر رہ گئیں
آسماں سر پر اٹھا لینے کی ہمت اب کہاں — لب تک آئیں بھی اگر آہیں تو آ کر رہ گئیں
ثبت تھی اوراقِ کن پر صرف میری سرگزشت — ہستیاں میرا ہی افسانہ سنا کر رہ گئیں
اب مری بربادیوں کو حشر کا ہے انتظار — جس قدر فتنے میسر تھے اٹھا کر رہ گئیں

وہ ہی وہ ہیں مگر ظہور نہیں — اس طرح دور ہیں کہ دور نہیں
کچھ ہمیں کو یہ زندگی ہے عزیز — ان کی بیداد کا قصور نہیں
گھر جلاتے تو ہو مگر کس کا — دل ہے بندہ نواز طور نہیں
تم پہ مرنا جنھیں نہیں آتا — زندگی کا انھیں شعور نہیں
ہم بھی اپنی وفا پہ ہیں مغرور — بات کی بات ہے غرور نہیں
ترکِ دنیا نہ ہو سکے تو نہ کر — غمِ دنیا مگر ضرور نہیں

ہم نہ تھے کل کی بات ہے فانی
ہم نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

دل میں آتے ہوئے شرماتے ہیں — اپنے جلووں میں چھپے جاتے ہیں
ہر نصیحت ہے نرالی ناصح — ورنہ سمجھے ہوئے سمجھاتے ہیں
وہ مرے قتل کا فرمان سہی — کچھ وہ ارشاد تو فرماتے ہیں
جور کو جور بھی اب کیا کہیے — خود وہ تڑپا کے تڑپ جاتے ہیں

دل سے فانی یہ الجھ پڑنا کیا
آپ دیوانے کے منہ آتے ہیں

عقل کہتے ہیں جسے مقبولِ اہلِ دل نہیں — اس جنوں کو امتیازِ عاشقی حاصل نہیں
ماورائے حدِ ہر منزل ہے شاید کوئے دوست — ہم نے جو چھانی نہ ہو ایسی کوئی منزل نہیں

گرم رو ہوں نقشِ پا بنتے گئے جلتے گئے
مسلک اپنا امتیازِ جادہ و منزل نہیں

ہر لطافت کا تصور ماسوا آلودہ ہے
آئینہ دل کا تری تصویر کے قابل نہیں

بزم اربابِ نظر ہے کب سے تیری منتظر
آکہ دل کا نام باقی رہ گیا ہے دل نہیں

وہ مسافر ہوں جو ہو ختمِ سفر سے بے نیاز
میری ہر منزل نشانِ راہ ہے منزل نہیں

بن نہیں پڑتی ہے تیری یاد سی تیری سی بات
ہاں مگر اتنا کہ گویا تو ہی تو ہے دل نہیں

کیا کرے دل نازک بہت ہے ان کی مرضی کا سوال
ورنہ فانیؔ اس جیے جانے سے کچھ حاصل نہیں

رہرو ہوں خضر کا رہِ عرفان و خبر میں
وہ نقشِ کفِ پا ہوں تری راہ گزر میں

کانٹوں میں بھی پھولوں کی ادا تھی ترے آگے
اب باغ میں جو پھول ہے کانٹا ہے جگر میں

ادراک ہی منظر مری شوریدہ سری کا
سودا ہے بعنوانِ محبت مرے سر میں

اس عالمِ تصویر کو دیکھا تو یہ دیکھا
میری ہی نظر محو ہے میری ہی نظر میں

تم تھے تو مری شام میں تھا صبح کا عالم
تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں

ہر اشک تری یاد کے جلووں سے ہے معمور
دنیا سمٹ آئی ہے مرے دیدۂ تر میں

فانیؔ ہے مری آہ و فغاں میں اثر الٹا
شاید مری تقدیر کی گردش ہے اثر میں

ان کی کسی ادا پہ جفا کا گماں نہیں
شوخی ہے جو بہ سلسلۂ امتحاں نہیں

دیکھا نہیں وہ جلوہ جو دیکھا ہوا سا ہے
اس طرح وہ عیاں ہیں کہ گویا عیاں نہیں

نامہربانیوں کا گلہ تم سے کیا کریں
ہم بھی کچھ اپنے حال پہ اب مہرباں نہیں

اب تک لگاوٹیں ہی سہی لاگ تو نہ تھی
یہ کیا ہوا کہ مجھ سے وہ اب بدگماں نہیں

شاید زمین کوئے بتاں آسماں ہوئی
کہتے ہیں اب زمیں یہ کہاں آسماں نہیں

برباد صد بہار ہوں میری نگاہ میں
جو آشنائے برق نہیں آشیاں نہیں

ساری ہے درد دل مری رگ رگ میں چارہ ساز　　کیا پوچھتا ہے درد کہاں ہے کہاں نہیں
کل تک زبان خلق پہ ہوگی وہ داستاں　　اب تک مری زبان پہ جو داستاں نہیں
تیرا کرم کہ تونے وہ دل کو عطا کیا　　جو غم بقدر حوصلۂ آسماں نہیں
بجلی کہیں گری ہو مگر ہم قفس مجھے　　ڈر ہے کہ اب کسی نے کہا آشیاں نہیں

فانی کوئی غم اور ابھی اٹھ رہا ہے کیا
دل پر ہنوز بار محبت گراں نہیں

تسکین عجیب چاہتا ہوں　　دشمن کا نصیب چاہتا ہوں
تم دل میں بھی رہ کے دور سے ہو　　کچھ اور قریب چاہتا ہوں
ہوں محو جمال عالم افروز　　عالم کو رقیب چاہتا ہوں
انجام بخیر ہو نظر کا　　دیدار حبیب چاہتا ہوں

غم کو جو خوشی بنا کے چھوڑے
فانی وہ نصیب چاہتا ہوں

جب کی ہے فکر تجزیۂ ہر مثال میں　　گم ہوگئی ہے ان کی تجلی جمال میں
امکان معرفت کو سمو کر محال میں　　وہ دل میں یوں رہے کہ نہ آئے خیال میں
ٹوٹا نہ ہم سے رشتۂ رسم حجاب عشق　　چھوٹا نہ ہم سے ہجر کا دامن وصال میں
قدموں پہ گر کے کوئی خطا وار مر نہ جائے　　ذوق آفرینیاں ہیں تمھارے ملال میں
ملتی نہیں تصور ہستی سے اب نجات　　گھر سا گیا ہوں حلقۂ دام خیال میں
آخر زمانہ آئینہ دکھلا کے رہ گیا　　لانا پڑا تمھیں کو تمھاری مثال میں
اپنی طرف بھی جھک کے نگاہیں رہیں بلند　　دیکھا کئے کمال کا پہلو زوال میں
گھٹتا ہے جی کہ ہم نہیں محتاج انفعال　　اک موج خوں بھی ہے عرق انفعال میں
فانی ہیں ان سے طالب صد مرگ عاشقی　　لے ہمت سوال اثر دے سوال میں

نالے وہ اب ہیں لب پہ جو کھوئے ہوئے سے ہیں
آغوش اضطراب میں سوئے ہوئے سے ہیں

کرتے ہیں بزمِ ناز سے ہم اکتساب رنگ
دامانِ دل لہو میں ڈبوئے ہوئے سے ہیں

گزرا فریب ہر غم و شادی کا مرحلہ
ہنستے ہوئے سو اب ہیں رُوئے ہوئے سے ہیں

غم ہائے روزگار سے ممکن نہیں گریز
یہ بھی ترے ستم میں سموئے ہوئے سے ہیں

بالیں پہ آکے نزع کے پردے میں چھیڑ دو
نغمے جو سازِ مرگ میں سوئے ہوئے سے ہیں

کچھ پاس جوشِ گریہ ہے کچھ پاس ضبطِ درد
اشکوں سے آستیں کو بھگوئے ہوئے سے ہیں

دامانِ تیغِ یار سے فانیؔ لہو کے داغ
دھوئے گئے ہیں اور نہ دھوئے ہوئے سے ہیں

گردش میں تھا وہ ایک ہی جلوا کہاں کہاں
تھی فرشِ راہ چشمِ تماشا کہاں کہاں

ذرے میں دشت قطرے میں طوفاں چھپے رہے
ڈالا مری نگاہ نے پردا کہاں کہاں

بزمِ الست۔ دارِ فنا۔ جلوہ گاہِ حشر
پہنچی ہے لے کے ان کی تمنا کہاں کہاں

قلب و جگر کے درد کا پھر کس کو ہوش تھا
جب اس نے مسکرا کے یہ پوچھا کہاں کہاں

آخر نگاہِ دوست میں فانیؔ نے پا لیا
یوں مرگِ ناگہاں تجھے ڈھونڈھا کہاں کہاں

ردیف (و)

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھتی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

چلے بھی آؤ وہ ہے قبرِ فانیؔ دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ

ابھی کیا ہے کسی دن خوں رلائے گی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

اُدھر منہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو اِدھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

بہارِ زندگی کا لطف دیکھا اور دیکھو گے
کسی کا عیشِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

وہ اٹھا شورِ ماتم آخری دیدارِ میت پر
اب اٹھا چاہتی ہے نعشِ فانی دیکھتے جاؤ

امید انعامِ خاص رکھو کرشمۂ لطفِ عام دیکھو
نصیب تو خیر ہے جو کچھ ہے نصیب کا اہتمام دیکھو

وہ ایک رنگینیٔ نظر ہے جو سو بہاروں میں دیکھتا ہوں
مری محبت کی خامیوں میں ادائے حسنِ تمام دیکھو

جو ہے وہ کیا ہے سوال یہ ہے کہ اب نگاہوں کا حال یہ ہے
جدھر نگاہیں ذرا اٹھاؤ ادھر تمہارا ہی نام دیکھو

یہ ترکِ بیداد و قدرِ دل کیوں وفا تو اربابِ دل کی خو ہے
جفا سو تقدیرِ آرزو ہے ہٹاؤ بھی اپنا کام دیکھو

خدا سے اور پھر گھڑی گھڑی کی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے فانی
دعائیں مانگے ہی جا رہے ہو نہ صبح دیکھو نہ شام دیکھو

اب آنکھ اٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگاں کو
وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوکِ نشتر سے رگِ جاں کو

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو
گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو

مرے تلووں سے کانٹوں پر نئی گلکاریاں ہونگی
مری وحشت مبارک ہو جنونِ عیش ساماں کو

بیاباں کو یہاں سے لے کے آئے تھے کچھ خاک کے ذرے
یہی ذرے اُڑا لے جائیں گے اک دن بیاباں کو

نہ آیا موسمِ گل جب دلِ دیوانہ جیتا تھا
جواب آئے تو یارب آگ لگ جائے گلستاں کو

چھٹے جب قیدِ ہستی سے تو آئے کنجِ تربت میں
رہا ہوتے ہیں یعنی ہم بدل دیتے ہیں زنداں کو

خدا غارت کرے دل کو بڑی مشکل میں ڈالا ہے
نہ سمجھا عمر بھر ناداں فریبِ عشقِ آساں کو

نظر سے جب ملی انکی نظر دل میں اُتر آئی
ہم آنکھوں سے لگا کر دل میں رکھ لیتے ہیں پیکاں کو

دلِ فانی سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب شے تھی خدا بخشے امیدِ وصلِ جاناں کو

نالے وہ اب ہیں لب پہ جو کھوئے ہوئے سے ہیں
آغوشِ اضطراب میں سوئے ہوئے سے ہیں

کرتے ہیں بزمِ ناز سے ہم اکتسابِ رنگ
دامانِ دل لہو میں ڈبوئے ہوئے سے ہیں

گزرا فریبِ ہر غم و شادی کا مرحلہ
ہنستے ہوئے سو اب ہیں نہ روئے ہوئے سے ہیں

غم ہائے روزگار سے ممکن نہیں گریز
یہ بھی ترے ستم میں سموئے ہوئے سے ہیں

بالیں پہ آ کے نزع کے پردے میں چھیڑ دو
نغمے جو سازِ مرگ میں سوئے ہوئے سے ہیں

کچھ پاسِ جوشِ گریہ ہے کچھ پاسِ ضبطِ درد
اشکوں سے آستیں کو بھگوئے ہوئے سے ہیں

دامانِ تیغِ یار سے فانی لہو کے داغ
دھوئے گئے ہیں اور نہ دھوئے ہوئے سے ہیں

گردش میں تھا وہ ایک ہی جلوا کہاں کہاں
تھی فرشِ راہ چشمِ تماشا کہاں کہاں

ذرّے میں دشت قطرے میں طوفاں چھپے رہے
ڈالا مری نگاہ نے پردا کہاں کہاں

بزمِ الست۔ دارِ فنا۔ جلوہ گاہِ حشر
پہنچی ہے لے کے ان کی تمنا کہاں کہاں

قلب و جگر کے درد کا پھر کس کو ہوش تھا
جب اس نے مسکرا کے یہ پوچھا کہاں کہاں

آخر نگاہِ دوست میں فانی نے پا لیا
یوں مرگِ ناگہاں تجھے ڈھونڈھا کہاں کہاں

ردیف (و)

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھتی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

چلے بھی آؤ وہ ہے قبرِ فانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ

ابھی کیا ہے کسی دن خوں رلائے گی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

ادھر منہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

بہار زندگی کا لطف دیکھا اور دیکھو گے
کسی کا عیش مرگ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

وہ اٹھا شور ماتم آخری دیدار میت پر
اب اٹھا چاہتی ہے نعش **فانی** دیکھتے جاؤ

امید انعام خاص رکھو کرشمہ لطف عام دیکھو
نصیب تو خیر ہی جو کچھ ہے نصیب کا اہتمام دیکھو

وہ ایک رنگینی نظر ہے جو سو بہار رنگیں دکھا رہا ہوں
مری محبت کی خامیوں میں ادائے حسن تمام دیکھو

جو ہے وہ کیا ہے سوال یہ ہے کہ اب نگاہوں کا حال کیا ہے
جدھر نگاہیں ذرا اٹھاؤ ادھر تمہارا ہی نام دیکھو

یہ ترک بیداد و قدر دل کیوں وفا تو ارباب دل کی خو ہے
جفا سو تقدیر آرزو ہے ہٹاؤ بھی اپنا کام دیکھو

خدا سے اور پھر گھڑی گھڑی کی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے فانی
دعائیں مانگے ہی جا رہے ہو نہ صبح دیکھو نہ شام دیکھو

اب آنکھ اٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی پلکی سی مژگاں کو
وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوک نشتر سے رگ جاں کو

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہل زنداں کو
گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو

مرے تلووں سے کانٹوں پر نئی گلکاریاں ہونگی
مری وحشت مبارک ہو جنون عیش ساماں کو

بیاباں کو یہاں سے لے کے آئے تھے کچھ خاک کے ذرے
یہی ذرے اڑا لے جائیں گے اک دن بیاباں کو

نہ آیا موسم گل جب دل دیوانہ جیتا تھا
جواب آئے تو یارب آگ لگ جائے گلستاں کو

چھٹے جب قید ہستی سے تو آئے کنج تربت میں
رہا ہوتے ہیں یعنی ہم بدل دیتے ہیں زنداں کو

خدا غارت کرے دل کو بڑی مشکل میں ڈالا ہے
نہ سمجھا عمر بھر ناداں فریب عشق آساں کو

نظر سے جب ملی انکی نظر دل میں اتر آئی
ہم آنکھوں سے لگا کر دل میں رکھ لیتے ہیں پیکاں کو

دل **فانی** سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب شے تھی خدا بخشے امید وصل جاناں کو

اثر پابندِ بے تابی نہیں تو ضبط ہی کیوں ہو
بلا سے حالِ دل کچھ بھی سہی ناگفتنی کیوں ہو

خدا رکھے محبت کو نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
اجل کہتی ہیں جس کو وہ ہماری زندگی کیوں ہو

ستم کا لطف بھی ہو امتیازِ لطف کے دم تک
کرم بھی کیوں نہ ہو بیدادگر بیداد ہی کیوں ہو

ٹھکانا ہی سرِ تقدیر پر ہر خونِ ناحق کا
تری تلوار میرے خون میں ڈوبی ہوئی کیوں ہو

نگاہِ یاس کو روداد حسرت کہہ تو لینے دے
ترے دل کو لگے ظالم وہی دل کی لگی کیوں ہو

ہماری بے خودی منجملۂ آدابِ الفت ہے
کسی کو دیکھ کر دل روشناسِ آگہی کیوں ہو

کسی کی یاد بھی لپٹی ہوئی ہے دامنِ دل سے
مری میت پہ فانی نوحہ گر اک بیکسی کیوں ہو

گویا نہیں تغافل و تمکیں میں کوئی فرق
اتنی بھی آدمی کو امیدِ کرم نہ ہو

غم بھی گزشتنی ہے خوشی بھی گزشتنی
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو

منظور ہر نوشتۂ تقدیر ہے مجھے
لیکن وہ جس میں حرفِ تمنا رقم نہ ہو

ہر لمحۂ حیات ہے بیگانۂ حیات
فانی حیات ہی سے عبارت عدم نہ ہو

خدا اثر سے بچائے اس آستانے کو
دعا چلی ہے مری قسمت آزمانے کو

بہار لائی ہے پیغامِ انقلابِ بہار
سمجھ رہا ہوں میں کلیوں کے مسکرانے کو

نہ پوچھیے کہ محبت میں مجھ پہ کیا گزری
نہ چھیڑیئے مرے بھولے ہوئے فسانے کو

یہ شعبدے یہ کرشمے کسے میسر تھے
تری نگاہ نے سکھلا دیئے زمانے کو

چمن میں برق نے جھانکا کہ ہم لرز اٹھے
اب اس سے آگ ہی لگ جائے آشیانے کو

خیالِ یار بھی کھویا ہوا سا رہتا ہے
اب انکی یاد بھی آتی ہے بھول جانے کو

نگاہِ لطف نہ فرما نگاہِ ناز کے بعد
جگر میں آگ لگا کر نہ آ بجھانے کو

زمانہ بر سرِ آزار تھا مگر فانی
تڑپ کے ہمنے بھی تڑپا دیا زمانے کو

ردیف (ہ)

تو جانِ مدعائے دل اور دل جگہ جگہ
ہے ایک شمع رونقِ محفل جگہ جگہ

حسرت جدا امید جدا آرزو جدا
دنیائے دل میں ہیں ترے بسمل جگہ جگہ

مٹ کر بھی داغ شاہدِ خونِ شہید ہے
دھویا ہوا ہے دامنِ قاتل جگہ جگہ

تو نے فراقِ دل ہمیں دیوانہ کر دیا
پھرتے ہیں پوچھتے خبرِ دل جگہ جگہ

رو رو کے ایک ایک قدم بڑھ رہا ہوں میں
ہنستی ہے مجھ پہ دوریٔ منزل جگہ جگہ

غم اصلِ کائنات ہے دل جوہرِ حیات
دل غم سے غم ہے دل سے مقابل جگہ جگہ

غربت میں سنگِ راہ کچھ آسانیاں بھی تھیں
کھاتی ہے ٹھوکریں مری مشکل جگہ جگہ

کیا پوچھتا ہے وعدہ شکن کیا ہے داغِ دل
ابھرے ہیں نقشِ وعدۂ باطل جگہ جگہ

اک سرگزشتِ درد ہے ہر ذرہ خاک کا
پہنچی ہے داستانِ غمِ دل جگہ جگہ

اب یادگارِ فانیٔ بسمل ہے اس قدر
گلگوں ہے خاکِ کوچۂ قاتل جگہ جگہ

خود ہوش سے پیدا کر ہر لغزشِ مستانہ
ترکِ مے دیرینہ کر لے جرأتِ رندانہ

دل معنیٔ صورت ہے اور صورتِ معنی بھی
فرزانے کا فرزانہ دیوانے کا دیوانہ

ہے کوئی جو منکر ہو اب شمع کی تمکیں کا
گم ہو گئی شعلوں میں خودداریٔ پروانہ

ہر کلمۂ الحق میں اک کیفِ انا بھر دوں
توبہ سے جو ٹکرا دوں الٹا ہوا پیمانہ

کچھ تذکرۂ جنت کچھ تذکرۂ کوثر
کیا یوں بھی نہیں جائز ذکرِ مے و میخانہ

ہر موجِ شکن سے اک طوفانِ بہار اٹھا
جھاڑا مری وحشت نے جب دامنِ ویرانہ

حیرت نے مجھے تیرا آئینہ بنایا ہے
اب تو مجھے دکھلا کر لے جلوۂ جانانہ

جو مومن و کافر ہیں وہ دل ہی نہیں رکھتے
دنیائے محبت میں کعبہ ہے نہ بت خانہ

فانی ہی نہیں فانیؔ میں درسِ فنا بھی ہوں
افسانۂ عبرت ہوں اور عبرت افسانہ

دل فانی کی تباہی کو نہ پوچھ
الم لاانتہاہی کو نہ پوچھ

حسنِ تدبیر نہ رسوا ہو جائے
رازِ تقدیرِ الٰہی کو نہ پوچھ

ظلمت افزائے ظہورِ خورشید
روزِ فرقت کی سیاہی کو نہ پوچھ

زندگی جادۂ بے منزل ہے
مسلکِ رہبر و راہی کو نہ پوچھ

غلط اندازِ نگاہوں کو سنبھال
میری گستاخ نگاہی کو نہ پوچھ

اثرِ برقِ تجلّی کو سمجھ
آہ کی شعلہ پناہی کو نہ پوچھ

منع ہے لذتِ غم بھی فانیؔ
ہمہ گیریِ نواہی کو نہ پوچھ

ردیف (ی)

عمر بھر بیدادِ حسنِ امتحاں دیکھا کئے
مہرباں سمجھا کئے نامہرباں دیکھا کئے

ہم تمھیں دیکھا کئے اور رائگاں دیکھا کئے
اک حجابِ بے حجابی درمیاں دیکھا کئے

فتنۂ دوراں کی تہ میں ایک فتنہ اور تھا
آسماں اک اور زیرِ آسماں دیکھا کئے

حسرت ان حرماں نصیبوں پر جو ہوش آنے کے بعد
خوابِ آغوشِ قفس میں آشیاں دیکھا کئے

جب قفس میں موسمِ گل کا تصور بندھ گیا
ہر طرف اجڑا ہوا اک آشیاں دیکھا کئے

عشوۂ تاثیرِ ضبطِ شوق میں سمجھا کیا
اور مری جیب کا وہ اندازِ بیاں دیکھا کئے

غم زدوں سے مژدۂ نظارہ کا حاصل نہ پوچھ
بزمِ دشمن میں نگاہِ رازداں دیکھا کئے

اٹھ گیا پہلی نگاہوں میں حجابِ حسن و عشق
ہر نظر کہتی ہی کیا کہئے کہاں دیکھا کئے

موت کی حسرت بھی کیا شے ہے کہ فانی عمر بھر
ہم جفائے سر بلائے ناگہاں دیکھا کئے

نہیں کہ وحشت دل چارہ گر نہیں ہے مجھے　　جنوں چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے
خراب لذت جانکاہیٔ محبت ہوں　　مآل عشق سے قطع نظر نہیں ہے مجھے
نہیں یہ مردن دشوار بے سبب یعنی　　یقین مژدۂ پیغام بر نہیں ہے مجھے
جنوں سہی اثر بے خودیٔ غم نہ سہی　　تمھیں خبر ہے کہ اپنی خبر نہیں ہے مجھے
نہ بار منت ناخن نہ خطرۂ سوزن　　مجال بخیۂ زخم جگر نہیں ہے مجھے
یہ کیا ہی پھر کہ مجھے اک جہاں نظر آیا　　خمار بادۂ وحدت اگر نہیں ہے مجھے
یہ جستجو ہے کہ ہے عالم مجاز کہاں　　تلاش چشم حقیقت نگر نہیں ہے مجھے

ہلاک تلخیٔ تاثیر شکوہ ہوں فانی
شکایت گلۂ بے اثر نہیں ہے مجھے

اک سرگزشت غم ہے کہ اب کیا کہیں جسے　　وہ واردات قلب تمنا کہیں جسے
اب زندگی ہے نام اُس امید دور کا　　ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا کہیں جسے
دل حاصل حیات ہے اور دل کا ماحصل　　وہ بے دلی کہ جان تمنا کہیں جسے
کیفیت ظہور فنا کے سوا نہیں　　ہستی کی اصطلاح میں دنیا کہیں جسے
صحرا کا اجتہاد ہے ذرّے کی ہر نمود　　ذرّے کا اعتبار ہے صحرا کہیں جسے
کیا قہر ہے لطافت دل پر گراں نہیں　　وہ پیرہن غبار تمنا کہیں جسے
کب تک رہین ذوق تماشا رہے کوئی　　اب وہ نگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے
ہے اتصال قطرۂ و دریا پہ منحصر　　وہ آبروئے قطرہ کہ دریا کہیں جسے
دریوزۂ فنا مرے مسلک میں ہے حرام　　در پردہ زندگی کا تقاضا کہیں جسے
فانی سکون موت نے دل سے مٹا دیا　　وہ نقش بے قرار کہ دنیا کہیں جسے

مشتاق خبردار رہیں دل سے جگر سے — ملتی ہے زمانے کی نظر ان کی نظر سے
منہ ڈھانپ لیا جوش ندامت کے اثر سے — خورشید قیامت نے مرے دامن تر سے
یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے — منہ موڑ لیا آہ نے دنیا کے اثر سے
دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں — ملنے کو تو ملتی ہے نظر ان کی نظر سے
پیکاں کے بھی ٹکڑے ہیں رفو کے بھی ہیں ٹانکے — سینہ میں دھواں خیر ہے اٹھتا ہے کدھر سے
امید اثر اور ان آہوں کو جو نکلیں — اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے
کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزم نوازش — لبیک کی آتی ہے صدا چاک جگر سے
عرفانِ محبت سے جدا دل نہیں ہوتا — لیتے ہیں یہاں فال خبر ذوقِ خبر سے
بیکاری وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت — دیوار کی صورت کو ملا لیتے ہیں در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی
روتی ہے گلے مل کے سحر شمع سحر سے

گریۂ جوش ندامت بس اب تھمنے کا تو نام نہ لے
جب تک رحمت کا ہر پہلو دل کا دامن تھام نہ لے

دل کی لامحدود فضا میں گم ہو جا یوں آپ کو ڈھونڈھ
ہوش کے بس کا روگ نہیں ہے ہوش سے تو یہ کام نہ لے

راحت کا مفہوم یہی ہے جہد طلب سے باز نہ آ
بڑھنے دے دل کی بے چینی تڑپے جا آرام نہ لے

لغزش توبہ کے ہاتھوں رندوں کا ٹھکانا تھا کوئی
مستی چشم اگر تو گرتے ہوؤں کو تھام نہ لے

ننگ ہے سعی عرض محبت فرض محبت پورا کر
اس کے سوا کچھ یاد نہ رکھ بھولے سے اثر کا نام نہ لے

دل تو دل ہے دل کو چین آجانا تو آسان نہیں
درد وہ ہے جو دل میں اُٹھ کر آپ بھی پھر آرام نہ لے

ہونا ہی وہ ہو کے رہے گا مجبوری کی حد سے نہ بڑھ
بیٹھے بٹھلائے اپنے سر آزادی کا الزام نہ لے

کافر صورت دیکھ کے منہ سے آہ نکل ہی جاتی ہے
کہتے کیا ہو اب کوئی اللہ کا یوں بھی نام نہ لے

حُسن پشیماں کو فانیؔ مت یہ نہ دے تکلیف کرم
وضعِ شکست عشق نبھا دے دیکھ کوئی الزام نہ لے

عشق جہاں باعث نشاط نہیں ہے
خندۂ تصویر انبساط نہیں ہے

گریہ کے آداب کے حواس ہیں کس کو
ہائے کہ اب تاب احتیاط نہیں ہے

روح کو کیوں تن سے اختلاط ہے باقی
دہر میں اب رسم اختلاط نہیں ہے

طاقت دل دے چکی جواب پر اب تک
قوت غم رو بہ انحطاط نہیں ہے

جلوہ ترا طلسم حجابات نور ہے
جو جس قدر قریب ہے اتنا ہی دور ہے

صرفِ دل شکستہ نہ کر نشۂ حیات
اب ظرف مے نہیں کہ یہ پیمانہ چور ہے

تسلیم ہیں مجھے بھی تری بے نیازیاں
یہ کیا کہوں کہ میری تمنا غیور ہے

وہ دیکھ سامنے ہیں نشیب و فراز شوق
بڑھ اور دو قدم کہ یہ امن وہ طور ہے

گھٹنا ہی چاہتا ہے گریباں کا فاصلہ
پھر دست شوق دامن جاناں سے دور ہے

ہر مژدۂ نشاط سے محروم کر دیا
ارشاد ہے کہ ہجر میں جینا ضرور ہے

تجدید زندگی تو محالات سے نہیں
فانیؔ مگر یہ ان کی مروت سے دور ہے

ہوش رہے نہ دوش کا فکر مآل رہ نہ جائے
خلوت یاد یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے

عشق ہی جب جنون تو پھر شاد ہو لے دل حزیں
کوئی گلہ اٹھا نہ رکھ کوئی سوال رہ نہ جائے

وعدہ فریب ہی تو او تند ہوائے ہوائے شوق
ہاں رہ انتظار میں گرد ملال رہ نہ جائے

تاب نظارۂ جلال حشر میں بخش کر مجھے
شان جمال بھی دکھا شان جمال رہ نہ جائے

عجز اِدھر اُدھر غرور دونوں غیور سے غیور
دامن مدعا سے دور دست سوال رہ نہ جائے

اب جو ہوا ہوا مآل چھوڑ خدا پہ انداز مال
زخم جگر پہ خاک ڈال تیر سنبھال رہ نہ جائے

جبر قبول عام کر کار فغاں تمام کر
غیرت غم کو رام کر اُف کی مجال رہ نہ جائے

نزع میں داد آہ دے اب نہ حیا کو راہ دے
عہد کرم پناہ دے پرسش حال رہ نہ جائے

فانیؔ زار جاں بری عشق میں مصلحت نہیں
جان وداع دل کے بعد مجھ کو وبال رہ نہ جائے

مژدۂ عیش میں تمہید پریشانی ہے
للہ الحمد کہ پھر غم کی فراوانی ہے

حیرت عشق کو رسکھے کوئی کیونکر نہ عزیز
تیرے آئینہ میں تھی یہ وہی حیرانی ہے

دونوں عالم ہیں ترے سوختہ ساماں پہ نثار
چشم بد دور عجب بے سروسامانی ہے

قطرہ کیا موج کسے کہتے ہیں کیا گرداب
ڈوب کر دیکھ نہ دریا ہے نہ طغیانی ہے

ہاں یہ ویرانے ہی آباد بھی ہو جاتے ہیں
کوئی میرے دل برباد کی ویرانی ہے

غم دوری اثر قرب سے محرم نہیں
میرے نالوں میں بھی انداز غزل خوانی ہے

میں کہاں اور کہاں عمر دوروزہ فانیؔ
زندگی اب بہ تقاضائے گراں جانی ہے

رہ جائے یا بلا سے یہ جان رہ نہ جائے
تیرا تو اے ستمگر ارمان رہ نہ جائے

جو دل کی حسرتیں ہیں سب دل میں ہوں تو بہتر
اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے

اے سوز غم جلا دے اے درد خوں رلا دے
کچھ ان کی دل لگی کا سامان رہ نہ جائے

سب منزلیں ہوئیں طے محشر سے اور اے دل — یہ ایک رہ گیا ہے میدان رہ نہ جائے
وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کردے — مستوں کے دل میں ساقی ایمان رہ نہ جائے
آ کر پلٹ نہ خالی اے مرگ جان لے جا
فانیؔ کے سر یہ تیرا احسان رہ نہ جائے

اک برق سر طور ہے لہرائی ہوئی سی — دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی
محضر ہے یہی قتل شہیدان وفا کا — جلاد کی چتون ہے جو شرمائی ہوئی سی
سنتا ہوں جو آتی ہے صدا پردۂ دل سے — امید کی آواز ہے تھرّائی ہوئی سی
درپیش ہے پھر مسئلۂ طاقت دیدار — پھر کچھ نگہ شوق ہے گھبرائی ہوئی سی
اک عالم دل ہے یہی دنیا یہی فردوس — ہر شے نظر آتی ہے نظر آئی ہوئی سی
میرے دل برباد کے دھندلے سے نشاں ہیں — اس باغ میں کلیاں ہیں جو مرجھائی ہوئی سی
ہر سانس ہے فانیؔ مجھے گویا دم آخر
سمجھا ہوں محبت میں قضا آئی ہوئی سی

ہر تصور جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے — خاک دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے
بھر کے ساقی ایک جام زہر مے آلود لا — یعنی خاکم در دہن آج آتش دل تیز ہے
ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہیں — عالم اک مجموعۂ ذرات صحرا بیز ہے
تھی شکست دل مگر تا حد آواز شکست — ٹوٹ کر بھی دل طلسم شوق یاس آمیز ہے
ہے فنا آباد غم اک معنی لفظ آفریں — صورت آباد جہاں اک لفظ معنی خیز ہے
شاید آ پہنچی ہے غم کی آخری منزل قریب — رخش ہستی کو جواب ہر سانس اک مہمیز ہے
جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت کسے فرصت کہاں — یاں نقاب جلوہ خود حسن تماشا ریز ہے
گو نہیں جز ترک حسرت درد ہستی کا علاج — آہ وہ بیمار جو آزردۂ پرہیز ہے
مایۂ ادراک ہستی ہوں تکلف برطرف — زندگی میری دروغ مصلحت آمیز ہے

مرگ فانی کو ہے یارب آہ اب کیا انتظار
دیر سے پیمانۂ عمر وفا لبریز ہے

عہد خرد میں عشق کی رسوائیاں نہ پوچھ — آنے لگی ہے ذکرِ وفا سے حیا مجھے
کیوں شوخیِ کرم یا ازل میں بجائے دل — بخشا گیا ستم کدۂ مدعا مجھے
ہوں وہ فریب خوردۂ رہبر کہ لاکھ بار — پلٹا کے لے چلا ہے مرا نقشِ پا مجھے
آئینہ تھا جو نقش بدیوار ہو گیا — تم دیکھتے مجھے تو کوئی دیکھتا مجھے

گردش وہی یہاں بھی سپہر کہن میں تھی — غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی
آزردہ کیوں ہوئے مری آشفتگی سے تم — آخر یہی تو زلف شکن در شکن میں تھی
اس کے سوا نہیں خبر آشیاں مجھے — میں تھا اسیر دام تو بجلی چمن میں تھی
بے پردہ ذکر یار ہے در پردہ یاد یار — میری زباں پہ ہے جو دلِ برہمن میں تھی
وہ گل ہے گل جسے تری خلوت میں بار تھا — وہ شمع شمع ہے جو تری انجمن میں تھی
کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں — کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی
بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا ترے بغیر — کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی
اے یاس تو نے آ کے اسے بھی مٹا دیا — لذت سی کچھ جو شکوۂ رنج و محن میں تھی

لو آج مرگِ فانیِ بیکس سے مٹ گئی
وہ اک خلش جو خاطرِ اہل وطن میں تھی

فصلِ گل خیر تو ہے دشت میں دیوانوں کی — دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی
دل کے تیور تو مجھے یاس کے چھینٹوں سے مگر — نہ بجھی آگ لگائی ہوئی ارمانوں کی
حسن مجبور تغافل ہے ادب شرط وفا — رہ گئی شرم غم عشق کے افسانوں کی
چشم ساقی کی وہ مخمور نگاہی توبہ — آنکھ پڑتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

طوق منت سے بڑھا ہو گئی منت پوری　　بیڑیاں موت نے کاٹیں ترے دیوانوں کی
اب جفا ہے نہ وفا یاد وفا باقی ہے　　تھی جہاں شمع وہاں خاک ہے پروانوں کی
دل میں رگ رگ سے کھنچ آئی ہیں لہو کی بوندیں
دعوتیں سینۂ فانی میں ہیں پیکانوں کی

حاصل بے خبری لازمۂ ہوش ہوئی　　یاد تیری کسی عنوان نہ فراموش ہوئی
وہ گھڑی بھی شب بے صبح تجھے یاد ہے جب　　میں بھی خاموش ہوا شمع بھی خاموش ہوئی
اللہ اللہ وہ رحمت ہے خطاکاروں پر　　جو خطا ہونے سے پہلے ہی خطاپوش ہوئی
مجھ پہ الزام پرستاریٔ صورت کیا خوب　　خود تری یاد ہی صورت گر آغوش ہوئی
سامنے آئیں جو ہوں دعوے تقوے والے　　چشم ساقی کی ادا میکدہ بردوش ہوئی
وہم ہستی کا بھی احساس نہیں تیرے بغیر　　زندگی ہجر میں اک خواب فراموش ہوئی
خاک دل ہی عجب اضداد کی دنیا فانی
منزل عشق ہوئی جلوہ گہ ہوش ہوئی

ما نا حجاب دید مری بیخودی ہوئی　　تم وجہ بیخودی نہیں یہ ایک ہی ہوئی
دل ہے وہ طاق غمکدۂ عمر دوش کا　　رکھی ہے جس پہ شمع تمنا بجھی ہوئی
میں منزل فنا کا نشان شکستہ ہوں　　تصویر گرد باد وفا ہوں مٹی ہوئی
تعمیر دل نے تجھ سے لیا انتقام عشق　　تیری ہی بزم جلوہ گہ عاشقی ہوئی
آتی رہی گی خیر اب اس زندگی کو موت　　یہ تو ہوا کہ موت مری زندگی ہوئی
مرحوم کس ادا کے تماشائیوں میں تھا　　پھرتی ہے دل کی لاش تماشا بنی ہوئی
دنیائے دل میں پاس کی اللہ رے دار و گیر　　جو آرزو کہ خلق ہوئی کشتنی ہوئی
کیجے دعا کہ اُف تو کرے دردمند عشق　　او دل تو دکھی چوٹ پھر اتنی دکھی ہوئی
میرا وجود کفر۔ مری زندگی گناہ　　ہستی کو ہوش ہوش کو لازم خودی ہوئی

یارب نوائے دل سے تو کان آشنا سے ہیں　　آواز آ رہی ہے یہ کب کی سنی ہوئی
لازم ہے احتیاط ندامت نہیں ضرور　　لے اب چھری تو پھینک لہو سے بھری ہوئی

فانیؔ وہ میں ہوں نقطۂ موہوم اتصال
جس میں عدم کی دونوں حدیں ہیں ملی ہوئی

ذوقِ وحشت تو بہ زنداں بہ زنداں چاہیے　　جب گلستاں چاہیے تھا اب بیاباں چاہیے
دل لہو کر دے وہ ضبطِ رنجِ پنہاں چاہیے　　ہر لہو کی بوند لیکن رہنِ طوفاں چاہیے
جوشِ جذبِ آرزوئے بے قید امکاں چاہیے　　ہجرِ جاناں کیا بلا ہے یادِ جاناں چاہیے
وہ تری عہدِ کرم کی فتنہ سامانی سہی　　میری بربادی کو آخر کوئی ساماں چاہیے

چمکا دیا ہے رنگِ چمن لالہ زار نے　　شاید خزاں کو آگ لگا دی بہار نے
ہر شام شام گور ہے ہر صبح صبحِ حشر　　کیا دن دکھائے گردشِ لیل و نہار نے
تربت کے پھول شام سے مرجھا کے رہ گئے　　رو رو کے صبح کی مری شمعِ مزار نے
ہاں ہم نہ تھے فریبِ تمنا سے بے خبر　　کیا کہیے کیا کیا دلِ امیدوار نے

اپنی تو ساری عمر ہی فانیؔ گزار دی
اک مرگِ ناگہاں کے غمِ انتظار نے

دادِ خود نمائی لے وحدتِ تمنا سے　　آئینہ طلب فرما کثرتِ تماشا سے
اور ہو نہ ہو حاصل انتظار فردا سے　　اُٹھ گیا محبت کا اعتبار دنیا سے
حشر میں وہ کیوں پوچھیں کہہ دوں جو نسبت ہے　　شانِ بے نیازی کو آرزوئے رسوا سے
عشرتِ تجلی کی لذتیں ذرا ٹھہریں　　اکتسابِ غم کر لوں حسنِ بے تماشا سے
ان کی دل نوازی میں کوئی شک نہیں لیکن　　ان کی دل نوازی کو لاگ ہے تمنا سے
لے ترا تصور بھی جا کے اب نہ آئے گا　　رسمِ ہوش اٹھتی ہے عاشقی کی دنیا سے

اس نظر نے چن چن کر آج پھر مٹا ڈالا
اضطراب ناپیدا پھر سکون پیدا سے

قصۂ جنوں اب تک یاد ہے مگر اتنا
انتہا ہے ذرّوں پر ابتدا ہے صحرا سے

اس جگہ کو حاصل ہے اعتبار ساحل کا
حد جہاں یہ قطرے کی مل گئی ہے دریا سے

حسن کی اداؤں کو دیکھ ہی لیا ہوتا
کام آ پڑا فانیؔ عشق کار فرما سے

بشر میں عکس موجودات عالم ہم نے دیکھا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرے میں دریا ہے

مری میت پہ ان کا طرز ماتم کس بلا کا ہے
دل بے مدعا سے پوچھتے ہیں مدعا کیا ہے

مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہہ جائے تو دریا ہے

کوئی دل میں نہیں آیا تو پھر یہ داغ دل کیا ہے
بتا اے عشق یہ کس چور کا نقش کف پا ہے

مری محرومیوں کا فیض جاری ہے رگ و پے میں
بدن میں جو لہو کی بوند ہے خون تمنا ہے

غبار رشک خارستان حسرت یاس کے منظر
ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہے

تمھارے ظلم طعنے غیر کے لوگوں کے آوازے
محبت میں دل مجبور کو سب کچھ گوارا ہے

نظر آتے ہیں دل میں آج پھر آثار بے تابی
ہم اے امید سمجھے اس میں کچھ تیرا اشارا ہے

محبت ہی نہیں تو پاس آداب محبت کیا
وفا کی یا جفا کی جانے دو یہ ذکر ہی کیا ہے

اسی کو تم مگر اے اہل دنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں نالے
خبر دل کی نہ ہو دل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے

شب فرقت میں ہم ہر سانس سے یہ پوچھ لیتے ہیں
جگر تو خیریت سے ہے مزاج دل تو اچھا ہے

یہ کیا کہتے ہو فانیؔ سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

مجبوری عریاں کو یہ خلعت مختاری
اللہ رے کرم ہم اور توفیق گنہگاری

فانیؔ مرے مسلک میں ممنوع ہے ہشیاری
احساس خطاکاری ہے راز خطاکاری

امید کے دم سے ہے امید کے دم تک ہے — ارباب تمنا پر احسان دل آزاری
آسان ہوئی منزل آثار مبارک ہوں — اب پاؤں نہیں اٹھتے اب آہ ہوئی بھاری
وہ ایک اچٹتی سی قاتل کی نظر توبہ — دم توڑ دیا دل نے گو زخم نہ تھا کاری
خوش ہوں کہ ترے غم میں جیتا ہوں نہ مرتا ہوں — جینا ہے ہوس کوشی مرنا ہے ریاکاری
تم سے مجھے امیدیں کیا عفو کے قابل ہیں — میں ہی تمہیں دیتا ہوں تکلیف ستمگاری
سرکار محبت سے فرمانِ سکوں آیا — گزری حد شورش سے جب شورش بیداری

فانی مری وحشت نے پھر شکل بدل ڈالی
پھر بخیۂ دامن میں مصروف ہے بے کاری

کیا ہوا باندھی ہے صدقے نالۂ شبگیر کے — آسماں پر اکھڑے جاتے ہیں قدم تاثیر کے
بے مروت بن کے اب کیا سوئے صحرا جائیے — لوٹتے ہیں پاؤں پر حلقے مری زنجیر کے
ضبط باقی غم سلامت ہے تو سن لینا کبھی — آہ گھبرا کر نکل آئی کلیجہ چیر کے
وصل سے محروم میں ہوں ورنہ گستاخی معاف — بوسے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے
مجھ کو مضطر دیکھ کر کہتا ہے قاتل پیار سے — آ ادھر سایہ میں سو جا دامن شمشیر کے
ساتھ جائے گا مری میت کے سامان خلش — دل میں رکھ چھوڑے ہیں پیکاں میں نے تیرے تیر کے
میرے مرتے ہی دل بیتاب کو چین آگیا — زندگی صدقے میں اتری گردش تقدیر کے
سعی درماں بے اثر فکر دوا بے فائدہ — زخم دل اے چارہ گر قائل نہیں تدبیر کے
یاس کے آتے ہی ارماں دل سے یہ کہہ کر چلے — ہم نہیں ساتھی تری بگڑی ہوئی تقدیر کے
دیکھئے کیا ہو وہ اور آزردگی بے سبب — ہم خطا ناکردہ خوگر عذر بے تقصیر کے

دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

وقت اتنا کب بقدر فرصت یک سجدہ ہے — ہم ہیں اور عمر ابد اور حسرت یک سجدہ ہے

تیری بزم ناز میں اس دل کو دیکھا چاہیے
جو زسرتا پا خراب رخصت یک سجدہ ہے

وجہ پامالی ہی شاید عذر گستاخی بھی ہو
سنگدل اور سر میں باہم نسبت یک سجدہ ہے

حاصل خلقت ہے تعمیر جبین سجدہ ریز
شان تکوین دو عالم دعوت یک سجدہ ہے

جاں فزا ہی شعلہ زار سوز فرقت کی بہار
اس جہنم کو میسر جنت یک سجدہ ہے

تاکید ہے کہ دیدۂ دل وا کرے کوئی
مطلب یہ ہے کہ دور سے دیکھا کرے کوئی

آتے ہی تیرے وعدۂ فردا کا اعتبار
گھبرا کے مر نہ جائے تو پھر کیا کرے کوئی

وہ جلوہ بے حجاب سہی ضد کا کیا علاج
جب دل ہی رہ کے آنکھ سے پردا کرے کوئی

کہتے ہیں حسن ہی کی امانت ہے درد عشق
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

خالی ہے بزم ذوق طلب اہل ہوش سے
اتنا نہیں کہ تیری تمنا کرے کوئی

وہ درد دے کہ موت بھی جس کی دوا نہ ہو
اس دل کو موت دے جسے اچھا کرے کوئی

فانی دعائے مرگ کی تکرار کیا ضرور
غافل نہیں کہ ان سے تقاضا کرے کوئی

گردش ایام فانی شرح دور شام ہے
صبح کہتے ہیں جسے وہ شام کا پیغام ہے

عہد پاک عشق میں کل تک ہوس گمنام تھی
آج اس دور ہوس میں عاشقی بدنام ہے

آہ اس معمورۂ عالم کی ویرانی نہ پوچھ
ہم ہیں تیری یاد ہے آگے خدا کا نام ہے

آنکھ پھر بھی منتظر ہے دل ہے پھر بھی مضطرب
خاص ہے تیری تمنا اور تماشا عام ہے

وعدۂ معلوم کا فانی کہاں تک انتظار
زندگی کا موت سے پہلے بھی کچھ انجام ہے

ابتدائے عشق ہے لطف شباب آنے کو ہے
صبر رخصت ہو رہا ہے اضطراب آنے کو ہے

قبر پر کس شان سے وہ بے نقاب آنے کو ہے
آفتاب صبح محشر ہم رکاب آنے کو ہے

مجھ تک اس محفل میں پھر جام شراب آنے کو ہے
عمر رفتہ پلٹی آتی ہے شباب آنے کو ہے

ہائے کیسی کشمکش ہے یاس بھی ہے آس بھی
دم نکل جانے کو ہے خط کا جواب آنے کو ہے

ناامیدی موت سے کہتی ہے اپنا کام کر
آس کہتی ہے ٹھہر خط کا جواب آنے کو ہے

بھر کے ساقی جام مے اک اور لا اور جلد لا
ان نشیلی انکھڑیوں میں پھر حجاب آنے کو ہے

خانۂ تصویر میں آنے کو ہے تصویر یار
آئینہ میں قد آدم آفتاب آنے کو ہے

اب کے سوئے کیا اٹھینگے فتنۂ محشر سے ہم
صبح محشر کے قریب آنکھوں میں خواب آنے کو ہے

دیکھئے موت آئے فانی یا کوئی فتنہ اٹھے
میرے قابو میں دل بے صبر و تاب آنے کو ہے

اٹھا اے نگاہ شوق اٹھ متاع جاں لئے ہوئے
وہ دامن نگاہ میں ہیں بجلیاں لئے ہوئے

فلک کی ساری پستیاں سپرد قلب چاک ہیں
زمیں کی ساری رفعتیں ہیں آسماں لئے ہوئے

حجاب روزگار میں جھلک ہے یاد یار کی
نشاط آشکار ہے غم نہاں لئے ہوئے

وصال ہو کہ ہجر ہو حیات ہو کہ موت ہو
ہر اعتبار عشق ہے پیام جاں لئے ہوئے

بنائے غم کی خیر ہو کہ آج آہ واپسیں
چلی ہے دل کی وادیوں سے آندھیاں لئے ہوئے

نہ پوچھ عہد ہوش کو کہ دامنوں کی آہ میں
پھرا کیا ہوں دامنوں کی دھجیاں لئے ہوئے

فنائے ذات ہے فنا لطافت حیات کا
غبار راہ کارواں ہے کارواں لئے ہوئے

ترے کرم سے کیا سماں ہے عالم گناہ کا
سیاہیاں امید کی تجلیاں لئے ہوئے

وہی ہوں میں جو تو نہیں وہی ہے تو جو میں نہیں
ترا ہر ایک نام ہے مرا نشاں لئے ہوئے

دلیل فتح عاشقی نوید صد شکست ہے
امانت بہار ہے مری خزاں لئے ہوئے

یہ ہستی دو روزہ گویا کہ نہیں فانی
اللہ رے ترا اے دل انداز پریشانی

تعبیر اجل نے دی اس خواب پریشاں کی
ہم مر کے تجھے سمجھے اے ہستی انسانی

کیوں کر میں کہوں تم نے آئینہ نہیں دیکھا
بے وجہ نہیں ہرگز آئینہ کو حیرانی

سن میری خموشی سے افسانۂ غم میرا
دزدیدہ نگاہی سے کر پرسشِ پنہانی

کیا ہم شبِ وصل ان سے فرقت کا گلہ کرتے
تھی رات بہت تھوڑی اور بات تھی طولانی

یاں میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی

پھر خواب میں طوق آیا زنجیر نظر آئی
در پردہ ہے وحشت کی پھر سلسلہ جنبانی

مانا کہ غمِ جاناں غارت گرِ ساماں ہے
رکھا ہی یہاں کیا ہے جز بے سر و سامانی

مشکل مرے مرنے کی مشکل ہے کہ آساں ہو
کچھ نازکیِ قاتل کچھ اپنی گراں جانی

فانی وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
میں نے غمِ راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

اے موت تجھ پہ عمرِ ابد کا مدار ہے
تو اعتبارِ ہستیِ بے اعتبار ہے

عہدِ ازل پہ زندگیوں کا مدار ہے
عالم تمام غم کدۂ اعتبار ہے

ذرات چشمِ شوق ہیں آمادۂ نگاہ
محرومیوں کو اب بھی ترا انتظار ہے

بیداد کا گلہ تو کروں اور جو وہ کہیں
یہ کہیے امتحانِ وفا ناگوار ہے

اک یہ فنا کہ ننگِ غمِ دوست ہے ہنوز
اک وہ ستم کہ حسن کا آئینہ دار ہے

تمیزِ حسن و عشق نہ عرفانِ غم مگر
اک تیرِ بے پناہ کلیجے کے پار ہے

دیکھیں خرامِ نازکی محشر طرازیاں
ہر ذرے پہ سکونِ فنا بے قرار ہے

مختار ہوں کہ معترفِ جبرِ دوست ہوں
مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے

اب کس کو اعتبار کہ تو بے وفا نہیں
اب کس کو انتظار مگر انتظار ہے

باقی نہیں کسی کو نشاطِ جنوں کا ہوش
کس جوش پر شبابِ غمِ روزگار ہے

آدابِ عاشقی کا تقاضا ہے اور بات
تو ورنہ دل کی آڑ میں غم بیقرار ہے

ہو گی کسی کو فرصتِ نظارۂ جمال
فانی خرابِ حسنِ تماشائے یار ہے

متاعِ جلوہ تحیر ہے مجھ کو سکتا ہے
دل آئینہ ہے کہ منہ آئینہ کا تکتا ہے

حجابِ زعمِ تماشا اٹھا تو کچھ دیکھوں
رہی نگاہ یہ پردہ تو اٹھ بھی سکتا ہے

وہ دل میں ہوک سی اٹھی وہ مجھ کو ہوش آیا
وہ درد جس کی دوا تو ہے پھر چمکتا ہے

امید و بیم پہ ہے ہستی بشر موقوف
کہ جا کے دم پلٹ آتا ہے دل دھڑکتا ہے

خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان سے دور
جو تیرے ہجر میں جیتا ہے مر بھی سکتا ہے

اجل! بس ایک ہی کانٹا نکال کر چل دے
ٹھہر کہ خارِ تمنا ابھی کھٹکتا ہے

حدودِ غم سے غمِ عشق بڑھ چلا فانی
وہ جامِ عمر کہ لبریز تھا چھلکتا ہے

کیا جانیے کہاں تک تمہیدِ زندگی ہے
یہ زندگی تو اب تک امیدِ زندگی ہے

حرماں نصیب ہوں اور مجبورِ آرزو بھی
محرومِ زندگی کو تاکیدِ زندگی ہے

امید مضطرب ہے ہر آرزو کی منزل
ہر سانس شامِ وعدہ تجدیدِ زندگی ہے

کچھ شرحِ بیخودی ہے کچھ ہوش کا فسانہ
یہ بے حسی جو شاید تنقیدِ زندگی ہے

مرنے کی آرزو میں عمریں گزار دی ہیں
اربابِ دل کی ہستی تقلیدِ زندگی ہے

اسرارِ زندگی کو سمجھوں تو کیا سمجھ لوں
جس زندگی کو دیکھا تردیدِ زندگی ہے

احساسِ زندگی ہے مرہونِ عشق فانی
پیغامِ موت گویا تائیدِ زندگی ہے

عشق نے دل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی
درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی

دل کی ہستی سے کیا عشق نے آگاہ مجھے
دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی

صدقے اتریں گے اسیرانِ قفس چھوٹے ہیں
بجلیاں بن کے نشیمن پہ گھٹا بھی آئی

ہاں نہ تھا بابِ اثر بند مگر کیا کہیے
آہ پہنچی تھی کہ دشمن کی دعا بھی آئی

آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت عشاق کو مٹی میں ملا بھی آئی

تو مسیحا نے بھی اللہ نے بھی یاد کیا   آج بیمار کو ہچکی بھی قضا بھی آئی

دیکھ یہ جادۂ ہستی ہے سنبھل کر فانیؔ
پیچھے پیچھے وہ دبے پاؤں قضا بھی آئی

مضمحل سعیِ چارہ گر نہ ہوئی   اور شفا قصہ مختصر نہ ہوئی
ترکِ تدبیر کو بھی دیکھ لیا   یہ بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی
یوں ملی ہر نگاہ سے وہ نگاہ   ایک کی ایک کو خبر نہ ہوئی
اللہ اللہ یہ حسنِ پرسشِ حال   کہ مرے حال پر نظر نہ ہوئی
ہجر کے بھی ہزار پہلو تھے   یوں بھی اک وضع پر بسر نہ ہوئی
صبح ہوتی نہیں ہماری شام   ورنہ کس شام کی سحر نہ ہوئی

آج تسکینِ دردِ دل فانیؔ
وہ بھی چاہا کئے مگر نہ ہوئی

مر کر مریضِ غم کی وہ حالت نہیں رہی   یعنی وہ اضطراب کی صورت نہیں رہی
ہر لمحۂ حیات رہا وقفِ کارِ شوق   مرنے کی عمر بھر مجھے فرصت نہیں رہی
اک نالۂ خموش مسلسل ہے اور ہم   یادش بخیر ضبط کی طاقت نہیں رہی
یوں مٹ گئی وفا کہ زمانہ کا ذکر کیا   اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی
وہ عہدِ دل فریبیٔ تاثیر اب کہاں   مدت سے آہ آہ کی حسرت نہیں رہی
ان کے تو دل سے نقشِ کدورت بھی مٹ گیا   ہم شاد ہیں کہ دل میں کدورت نہیں رہی
دل اور ہولئے سلسلہ جنبانیٔ نشاط   کیوں پاسِ وضعِ غم تجھے غیرت نہیں رہی
اے دردِ عشق اب تو خدا کے لئے نہ چھیڑ   دل میں کراہنے کی بھی طاقت نہیں رہی
ہر بے گنہ سے وعدۂ بخشش ہے روزِ حشر   گویا گناہ کی بھی ضرورت نہیں رہی
اے عرضِ شوق مژدہ کہ دل چاک ہو گیا   تکلیفِ پردہ داریٔ حسرت نہیں رہی

پتھرا گئی تھی آنکھ مگر بند تو نہ تھی — اب یہ بھی انتظار کی صورت نہیں رہی
عبرت نے بے کسی کا نشاں بھی مٹا دیا — اڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی
محشر میں بھی وہ عہد وفا سے مکر گئے — جس کی خوشی تھی اب وہ قیامت نہیں رہی
کس منہ سے غم کے ضبط کا دعوے کرے کوئی — طاقت بقدر حسرت راحت نہیں رہی

فانی امید مرگ نے بھی دے دیا جواب
جینے کی ہجر میں کوئی صورت نہیں رہی

پالیا ذوق طلب نے ماورائے دل مجھے — جب مجھے منزل نے کھویا مل گئی منزل مجھے
یاد عہد بیخودی جب تو ہی تو تھا میں نہ تھا — وہ بھی دن تھے جب کوئی مشکل نہ تھی مشکل مجھے

فطرت غم رفتہ رفتہ میری فطرت بن گئی
اضطراب دل ہے فانی اضطرار دل مجھے

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہے — اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے
آتی ہے صبا سوئے لحد ان کی گلی سے — شاید مری مٹی ابھی برباد نہیں ہے
اللہ بچائے اثر ضبط سے ان کو — بیداد تو ہے شکوۂ بیداد نہیں ہے
آمادۂ فریاد رسی ہے وہ ستمگر — فریاد کہ اب طاقت فریاد نہیں ہے

دنیا میں دیار دل فانی کے سوا ہائے
کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہیں ہے

مجبور شکایت ہوں تاثیر کو کیا کہئے — تدبیر مقدر تھی تقدیر کو کیا کہئے
فردوس بداماں ہے ہر نقش خیال ان کا — یہ شان تصور ہے تصویر کو کیا کہئے
وابستۂ صد حسرت بے واسطۂ دل ہوں — اپنا ہی میں زنداں ہوں زنجیر کو کیا کہئے
وہ برق کی یورش ہے ہر شاخ میں لرزش ہے — ایسے میں نشیمن کی تعمیر کو کیا کہئے
سنتے ہیں حجاب ان کا عرفان تمنا ہے — اب حرف تمنا کی تعبیر کو کیا کہئے

یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانیؔ
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہئے

مانا کہ بات وعدۂ فردا پہ ٹل گئی
اور یہ وفا جو کل بھی نہ ہو آج کل گئی

اس خانۂ خراب کی بربادیاں نہ پوچھ
یادش بخیر آہ بھی دل سے نکل گئی

تم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بے حجاب
اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی

کچھ کہہ کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہے
سنتا تو ہوں کہ اب مری حالت سنبھل گئی

آتی ہے خاک جادۂ ہستی سے بوئے دل
کس آرزو بھرے کی تمنا کچل گئی

دل کیوں شب فراق تڑپ کر ٹھہر گیا
کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی

تعمیر آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

اللہ رے نوک نشترِ غم کی لگاوٹیں
اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی

فانیؔ کے دل سے آیۂ لاتقنطوا کے بعد
زاہد وہ دل فریبیٔ حسن عمل گئی

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہے
جفا کم کر جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہے

مری ہر معصیت ہے مطلع انوار صد رحمت
فضائے دل گناہوں سے منور ہوتی جاتی ہے

خدا چاہے تو اب ایماں پرستی کا رواج اٹھے
وہ چشم سر بسر تسخیر کافر ہوتی جاتی ہے

محبت کی خلش کا دیکھئے انجام کیا ٹھہرے
تکلف بر طرف ہر سانس نشتر ہوتی جاتی ہے

زباں صرف دعائے مرگ ہے کوئی دعا مانگوں
مری تدبیر بھی میرا مقدر ہوتی جاتی ہے

امید التفات کو رسوا نہ کیجئے
لازم نہیں کہ خون تمنا نہ کیجئے

شرمندہ وہم رشک سے اتنا نہ کیجئے
آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجئے

اندیشہ عیش خواب لحد کا نہ کیجئے
ہنگام نزع وعدۂ فردا نہ کیجئے

دیکھو جو وقت پرسشِ جاناں نہ بھول جائیں ٹھانی تو ہے کہ عرض تمنا نہ کیجئے
سرکارِ یاس وضعِ جفا چاہتا ہوں میں یہ بھی اگر وفا ہو تو اچھا نہ کیجئے
کیا فرض تھی نگاہِ مکرر ازل کے بعد یہ جان ہے یہ دل ہے تقاضا نہ کیجئے

فانیؔ بلائے مرگ سے غم کیجے غلط
اب جستجوئے راحتِ دنیا نہ کیجئے

جبیں صرفِ سجود بے جبیں معلوم ہوتی ہے طبیعت بے نیازِ کفر و دیں معلوم ہوتی ہے
نگاہِ ناز و سوزِ عشق دونوں ایک ہیں لیکن کہیں ہوتی ہے یہ بجلی کہیں معلوم ہوتی ہے
مٹا ہی چاہتا ہے امتیازِ صبر و بے تابی تمنا اب تمنا آفریں معلوم ہوتی ہے
نہیں معلوم راہِ شوق میں ہے بھی کوئی منزل جہاں تھک کر نظر ٹھہرے وہیں معلوم ہوتی ہے
بحمد اللہ کہ تاثیرِ فغاں بر روئے کار آئی کہ اب ہر آہ آہِ واپسیں معلوم ہوتی ہے
لہو روتا ہوں اس انجام سے غافل کی حالت پر محبت جس کے دل میں جاگزیں معلوم ہوتی ہے
عجب عالم ہے موجِ برق کے پہلو میں بادل کا تری الٹی ہوئی سی آستیں معلوم ہوتی ہے
مری ہستی کہ ہے بھی اور نہیں بھی ہے خدا رکھے ترے پیمانِ باطل کا یقیں معلوم ہوتی ہے

زمینِ حشر فانیؔ کیا قیامت ہے معاذ اللہ
مجھے اپنے وطن کی سی زمیں معلوم ہوتی ہے

کارواں گزرا کیا ہم رہگزر دیکھا کئے ہر قدم پر نقشِ پائے راہبر دیکھا کئے
ترکِ بیداد آہ اک تمہید تھی بیداد کی دل جلا کر میرے نالوں کا اثر دیکھا کئے
دردمندانِ وفا کی ہائے رے مجبوریاں دردِ دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کئے
یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کئے
رخ مری جانب نگاہِ لطف دشمن کی طرف یوں اُدھر دیکھا کئے گویا اِدھر دیکھا کئے
تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی مراد مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کئے

زیست تھی فانیؔ بقدرِ فرصتِ تمہیدِ شوق
عمر بھر ہم پرتوِ نورِ بشر دیکھا کیے

مجبوریِ شکور کی تصویر دکھا دے — اے دستِ کرم پردۂ تدبیر اٹھا دے
حد کفرِ غم ہوش کی ایماں سے ملا دے — اس ہستیِ موہوم کو توفیقِ فنا دے
آدابِ طلب سیکھ طلب بے ادبی ہے — مجرم ہے وہ سائل جو درِ دل پہ صدا دے
جو سوزِ محبت سے ہوا افسردہ دل ہوں — وہ شمع ہوں جس کو پرِ پروانہ بجھا دے
نسبت کرمِ دوست سے آساں نہیں فانیؔ
ناکام تو ہے ذوقِ تمنا کو دعا دے

ذرہ ذرہ تربتِ فانیؔ کا شیون جوش ہے — اس صفِ ماتم میں اک شمعِ لحد خاموش ہے
پھیر لے میت کی جانب سے نگاہِ التفات — سیکڑوں شکووں کے نرغے میں لبِ خاموش ہے
وصل ہو یا ہجر دونوں ہیں مرے مشرب میں کفر — شوقِ وحدت آشنا بیگانۂ آغوش ہے
طور تو ہے ربِّ ارنی کہنے والا چاہیے — لن ترانی ہے مگر نا آشنائے گوش ہے
اک طلسمِ فیض ہے سینے میں سوزِ دل کی ذات — بے تکلف ہر نفس اک شعلۂ خس پوش ہے
رازِ آزادی فقط تیرے اسیروں پر کھلا — جو ترے قدموں پہ سر ہے بے نیازِ دوش ہے
زندگی خود کیا ہے فانیؔ یہ تو کیا کہیے مگر
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

دل معرفتِ شوق سے بیگانہ بنا دے — دیوانۂ ہشیار کو دیوانہ بنا دے
ہر جلوۂ محسوس کو مرہونِ نظر کر — اس بزم میں ہر شمع کو پروانہ بنا دے
پھر اک نگہِ مست کہ بے کیف ہے عالم — میخانہ بیک گردشِ پیمانہ بنا دے
آ اور دلِ برباد میں اک حشر بپا کر — جا اور دلِ آباد کو ویرانہ بنا دے
حیرت کدۂ ناز میں دل بھی ہے نظر بھی — اب دوست جسے آپ سے بیگانہ بنا دے

یک رنگی دل لازم صد رنگ جنوں کر — کعبے کی بنا ڈال کے بت خانہ بنا دے

قربان تری شان حکیمانہ پہ ہر بات — اب بات یہ انداز کریمانہ بنا دے

اک بوند لہو کی ہے تو یہ حال ہے دل کا — وہ موج تبسم کہیں دریا نہ بنا دے

افسانۂ دل یوں کوئی سنتا نہیں فانی
اب موت کسی دن مجھے افسانہ بنا دے

مجھے قسم ہے ترے صبر آزمانے کی — کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی

ترا اسیر ہوں چاہے تو ذبح کر صیاد — نہ توڑ دل کہ امانت ہے آشیانے کی

خیال یار ہے اک حسن و عشق کی دنیا — مری نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی

زبان حال ٹھہر داستان عشق نہ چھیڑ — کہ خواب مرگ ہے تاثیر اس فسانے کی

گلہ ضرور نہیں حال بیخودی معلوم — تمھاری یاد کو عادت ہے بھول جانے کی

نہ دل کے ظرف کو دیکھو نہ طور کو دیکھو — بلا کی دھن ہے تمھیں بجلیاں گرانے کی

نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر — وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی

نہ بن پڑا کوئی عذر جفا کسی سے تو ہائے — ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

جبین درد ہے بیتاب سجدہ اے فانی
کدھر ہے خاک ترے دل کے آستانے کی

ادھر نہ دیکھ مجھے بے قرار رہنے دے — مری نظر میں مرا اعتبار رہنے دے

بقید حشر بھی عہد وفا سے عہد نہ کر — خراب شوق کو امیدوار رہنے دے

نوید زندگی دل کی تاب سہل نہیں — ابھی کچھ اور مجھے سوگوار رہنے دے

یقیں لطف میں گم کر نہ لذت بیداد — جو ہو سکے تو غم انتظار رہنے دے

ادا سے آڑ میں خنجر کے منہ چھپائے ہوئے — مری قضا کو وہ لائے دلہن بنائے ہوئے

الٰہی کیوں نہیں ہوتی کوئی بلا نازل — اثر ہے دیر سے دستِ دعا اٹھائے ہوئے
تری لگائی ہوئی آگ حشر تک نہ بجھی — ہوئے نہ مر کے بھی ٹھنڈے ترے جلائے ہوئے
بلائے جان ہی مگر پھر بھی آرزو ہے تری — ہم اس کو اپنے کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے
سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے — چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے
تمھیں کہو تمھیں اپنا سمجھ کے کیا پایا — مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے
کسی کا ہائے وہ مقتل میں اس طرح آنا — نظر بچائے ہوئے آستیں چڑھائے ہوئے

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانیؔ زار
امیدِ وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے

جینے کی ہے امید نہ مرنے کا یقیں ہے — اب دل کا یہ عالم ہے کہ نہ دنیا ہے نہ دیں ہے
گم ہیں رہِ تسلیم میں طالب بھی طلب بھی — سجدہ ہی درِ یار ہے سجدہ ہی جبیں ہے
کچھ مظہرِ باطن ہوں تو کچھ محرمِ ظاہر — میری ہی وہ ہستی ہے کہ ہے اور نہیں ہے
ایذا کے سوا لذتِ ایذا بھی ملے گی — کیوں جلوہ گہِ ہوش یہاں دل بھی کہیں ہے

مایوس سہی حسرتیِ موت ہوں فانیؔ
کس منہ سے کہوں دل میں تمنا ہی نہیں ہے

رابطۂ جسم و جاں دیکھئے کب تک رہے — زیست کا سہم پر گماں دیکھئے کب تک رہے
میری گراں جانیاں مجھ سے جدا ہوں نہ ہوں — سعیِ الم رائگاں دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک مٹے سینۂ فانیؔ کا داغ
تربتِ دل کا نشاں دیکھئے کب تک رہے

بعد فانیؔ نہ رہا مصرفِ زنداں کوئی — دستِ وحشت میں ہے دامن نہ گریباں کوئی
یہ تو معلوم نہیں کیا ہے یہ دنیا لیکن — صرفِ صد رقص ہے صورت کدۂ جاں کوئی
میری ویرانیِ دل ہی کہیں رسوا کہیں زار — کوئی ذرہ ہے یہاں اور نہ بیاباں کوئی

کون ہے میرے سوا فیض چمن سے محروم — گل بداماں ہے کوئی خار بداماں کوئی
ہائے اس بزم میں وہ شوق و تحیر کا ہجوم — دل بیتاب کوئی دیدۂ حیراں کوئی
تو بھی کر دے غلطی ہائے محبت کو معاف — آ کہ امید وفا پر ہے پشیماں کوئی
برق نے میرے قفس کو بھی نشیمن سمجھا — آہ ایسا بھی نہ ہو سوختہ ساماں کوئی
نہ ملی خلق سے مظلومی دل کی کوئی داد — میری قسمت میں نہ تھا جور نمایاں کوئی
مجھ سے مطلب نہ سہی کاش میسر ہو تجھے — حسن تغییر بھی اے گردش دوراں کوئی

عمر سب نزع کے عالم ہی میں گزری فانیؔ
زندگی کا نہ ہوا موت پہ احساں کوئی

غم مجسم نظر آیا تو ہم انساں سمجھے — برق جب جسم سے وابستہ ہوئی جاں سمجھے
شوق کی گرمیٔ ہنگامہ کو وحشت جانا — جمع جب خاطر وحشت ہوئی ارماں سمجھے
حکم وحشت ہے کہ زنداں کو بھی صحرا جانو — دل وہ آزاد کہ صحرا کو بھی زنداں سمجھے

فانیؔ اس عالم ظاہر میں سراپا غم تھا
چھپ گیا خاک میں تو ہم غم پنہاں سمجھے

زندگی کی ہر خلش ہے یاد جاناں کے لئے — ہر نفس اک آڑ ہے احساس رنج پنہاں کے لئے
اشک رنگیں کے سوا ہے خون دل بھی نذر دوست — ان میں جو درکار ہو تزئین داماں کے لئے
موج کیا گرداب کیسا کیوں کسی کا نام لوں — خود سفینہ ہی مرا دعوت ہے طوفاں کے لئے
کم ہے ذرے سے بھی یہ سارا نظام کائنات — دل کی وسعت چاہئے تھی چشم حیراں کے لئے
ایک مرگ عاشقی اور لاکھ سامان حیات — لاکھ غم تھے اک حیات مرگ ساماں کے لئے
پھر ہوا گور غریباں میں بگولوں کا ہجوم — خاک دل اٹھتی ہے تنظیم بیاباں کے لئے
پھر مذاق اہل دانش چاہتا ہے انقلاب — پھر مری وحشت نے لبیے باب زنداں کے لئے
دل کی یہ شوریدگی شبہائے غم اتنی دراز — اہتمام اتنے تری زلف پریشاں کے لئے

دین و دل فانیؔ گنوائے بھی تو ناداں اس طرح
دشمن ایماں کی خاطر دشمن جاں کے لئے

نصیب ہو بھی تو کیا لطفِ وصلِ یار میں ہے | سوائے عیش سو تقدیر انتظار میں ہے
فلک نے یوں تو جو چاہا کیا ستم تو یہ ہے | شمارِ دل بھی ستم ہائے بیشمار میں ہے
قضا پہ اب ہے مری زندگی کا دار و مدار | سو وہ بھی انکی اداؤں کے اختیار میں ہے
عزیز خاطرِ فطرت ہے جانِ عبرت ہے | ہر ایک ذرہ جو اس عالمِ غبار میں ہے
سرشتِ برق سرِ عنبر ہو خدا نہ کرے | وہ اضطراب کہ جانِ امیدوار میں ہے
گناہگار کی حالت ہے رحم کے قابل | غریب کشمکشِ جبر و اختیار میں ہے
حریفِ سوزِ نہاں تو نہیں مگر پھر بھی | بلا کی آگ اس آہِ شرارہ بار میں ہے
ہماری لاش مرقع ہے بے قراری کا | اک اضطراب کی صورت بھی اس قرار میں ہے

چمن سے رخصتِ فانیؔ قریب ہے شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

آہ سے یا آہ کی تاثیر سے | جی بہل جاتا کسی تدبیر سے
اب غم سہنے کی عادت ہی سہی | صلح کر لیں لاؤ چرخِ پیر سے
جبر کو کیوں کر نہ سمجھوں اختیار | تم نے باندھا ہی مجھے زنجیر سے
کام اب اس تدبیر پر ہے منحصر | واسطہ جس کو نہ ہو تقدیر سے
اس نگاہِ ناز کا اللہ رے فیض | نسبتیں ہیں زخمِ دل کو تیر سے
ہوشیار اے شوخِ بے پروا خرام | بچ کے میری خاکِ دامن گیر سے

عشق فانیؔ اس پہ اپنی یہ بساط
کھیلتی ہیں بجلیاں تصویر سے

کیا کیا نہ اس نے کام لیا اک حجاب سے | اکثر صفیں نظر کی الٹ دیں نقاب سے

دل کیا ہے پوچھ اپنے رُخِ بے نقاب سے — شاید نشان ذرّہ ملے آفتاب سے
جاتی ہی لے امید کہاں دل اجاڑ کر — چل دے کوئی نہ اُٹھ کے جہان خراب سے
کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حال اضطراب — ملتی ہے آج اس کی خبر اضطراب سے
یا میرے بے شمار گناہوں سے درگزر — یا میرے عذر سن کرم بے حساب سے
اے آرزوئے دیدہ وہ دن کیا ہوئے کہ دل — لبریز شکوہ تھا نگہ کامیاب سے

فانی جہان عشق میں ہوں لاکھ انقلاب
غم بدگماں نہیں اثر انقلاب سے

جلوہ بے چشم آشنا کیا ہے — میں ہی میں ہوں مرے سوا کیا ہی
شغل ہی زندگی کی فرصت کا — اور مجبور کی دعا کیا ہی
تری تدبیر ہے مری تقدیر — ابتدا یہ ہے انتہا کیا ہی
حسن دیوانہ ساز کچھ نہ کہے — میں بتاؤں مجھے ہوا کیا ہی
دل سراپا نظر وہ حسن تمام — بند کر آنکھ دیکھتا کیا ہی
مدعا ہے کہ مدعا نہ کہوں — پوچھتے ہیں کہ مدعا کیا ہی

گلہ مند جفا تو ہو فانی
یہ بھی معلوم ہے جفا کیا ہی

دشمن جاں تھے تو جانِ مدعا کیوں ہو گئے — تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے
کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے — وہ جنازہ پر ترا کہنا خفا کیوں ہو گئے
تو مرے دل کی نہ سن یہ آئینہ ہے اس سے پوچھ — تیرے صورت آشنا درد آشنا کیوں ہو گئے
کیا تمھیں اندازۂ ضبط محبت ہو گیا — چشم بد دور اب ستم حد سے سوا کیوں ہو گئے
دل کی صورت آکے پہلو سے تمھیں جانا نہ تھا — اور گئے ہی تھے تو جان بے وفا کیوں ہو گئے
کیا سنانا چاہتا ہے اے فریب التفات — خیر ہے لب آج مطلب آشنا کیوں ہو گئے

اور فانیؔ بڑھ گئی بے تابیٔ دل بعد مرگ
کیا کہیں مر کر گرفتارِ بلا کیوں ہو گئے

محشر میں عذرِ قتل بھی ہے خوں بہا بھی ہے
وہ اک نگاہ جس میں گلہ بھی حیا بھی ہے

اس درد کا علاج اجل کے سوا بھی ہے
کیوں چارہ ساز تجھ کو امیدِ شفا بھی ہے

جب عشق ابتدا ہی نہیں انتہا بھی ہے
دل میری زندگی ہی نہیں ہے قضا بھی ہے

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

اے حدِ ضبط درد نہ کر دل سے اب دریغ
اک آہِ بے صدا کہ دعا بھی دوا بھی ہے

سامانِ صد نگاہ ہے ہر ذرہ خاک کا
لیکن یہ دیکھنا ہے کوئی دیکھتا بھی ہے

ہاں دل میں درد بھی ہے زباں بھی نہیں ہے بند
کس سے کہیں کوئی دلِ درد آشنا بھی ہے

دل اور حکمِ ضبط سے یارائے انحراف
پردے میں کوئی دشمنِ اہلِ وفا بھی ہے

فانیؔ سے دل کے ساتھ تقاضا ہے جان کا
ظالم اس ابتدا کی کوئی انتہا بھی ہے

تو ہی سفر میں پاس ہے تو ہی حضر میں پاس ہے
تو ہی جنوں کا آسرا تو ہی سکوں کی آس ہے

واہ رے شانِ یادِ ذات واہ رے اعتمادِ ذات
غم ہے نہ اب ملال ہے ڈر ہے نہ اب ہراس ہے

وہم و قیاس کے سوا حاصلِ ہوش کچھ نہیں
فہم کی ابتدا ہے وہم عقل کی حد قیاس ہے

ہائے وہ تیرے ذکر میں یہ بھی ہے آرزو کہ کاش
کوئی کہے کہ بزمِ ناز تو جو نہیں اداس ہے

چل تو رہے ہیں سب مگر ہے کوئی منزل آشنا
مدعیانِ آرزو دل بھی کسی کے پاس ہے

جو ہے شہیدِ انتظار جو ہے ترا امیدوار
زیست بھی اسکی زیست ہے موت بھی اسکو راس ہے

حسن ستم نواز کی ایک نگاہ غم نواز
اجر ہزار صبر ہے نازشِ صد سپاس ہے

ترکِ خودی ہے ہوشِ عشق درکِ خودی ہے جوشِ عشق
خود نشناس و خود شناس عشق ہی خدا شناس ہے

فانیؔ اس انقلاب سے وحشتِ عشق کی پناہ
آہ وہ بزمِ دل جو آج انجمنِ حواس ہے

غم مٹا دیا غم کا لذت آشنا کر کے / کیا کیا ستمگر نے خوگر جفا کر کے

کہتے ہو وفا کی بھی ایک حد معین تھی / کس قدر پشیماں ہوں ترک مدعا کر کے

وہ مری شکایت پر چپ کھڑے ہیں محشر میں / بت نہیں بنا پایا اب خدا خدا کر کے

وہ مرے جنازے پر بعد مرگ آئے ہیں / مدعا ہوا حاصل ترک مدعا کر کے

لذت فنا ہرگز گفتنی نہیں یعنی
دل ٹھہر گیا فانی موت کی دعا کر کے

دیر میں یا حرم میں گزرے گی / عمر تیرے ہی غم میں گزرے گی

کچھ امید کرم میں گزری عمر / کچھ امید کرم میں گزرے گی

زندگی یاد دوست ہے یعنی / زندگی ہے تو غم میں گزرے گی

اب کرم کا یہ ماحصل ہے کہ عمر / یاد عہد ستم میں گزرے گی

دل کو شوق نشاط وصل نہ چھیڑ / غم میں گزری ہے غم میں گزرے گی

حسرت دمبدم میں گزری عمر / عبرت دمبدم میں گزرے گی

حشر کہتے ہیں جس کو اے فانی
وہ گھڑی شرح غم میں گزرے گی

جاتا ہے صبر بے سر و ساماں کئے ہوئے / ناموس عشق ہدیۂ مژگاں کئے ہوئے

افشائے راز اہل جنوں مصلحت نہیں / پھرتا ہوں دھجیوں کو گریباں کئے ہوئے

پھر سے چلا ہے گریۂ بے تاب خط شوق / دل کے لہو کو زینت عنواں کئے ہوئے

پھر ناوک نگاہ کا رخ پھیر سوئے دل / ساماں صد جراحت پنہاں کئے ہوئے

دل کی لحد پہ خاک اڑانے چلا ہے عشق / ذرے سے اکتساب بیاباں کئے ہوئے

پھر گوشہ گیر حلقۂ زنجیر ہے جنوں / صحرا کو نذر تنگی زنداں کئے ہوئے

اور اک درد دل بھی رہا ہر نفس کے ساتھ / دشواری حیات کو آساں کئے ہوئے

طوفانِ اضطراب جنوں اُٹھ کہ دیر سے
بیٹھا ہوں جمع خاطرِ ویراں کئے ہوئے

اے عقلِ غم فروش فراغت نما ٹھہر
آتا ہے عشق درد کو درماں کئے ہوئے

کیوں اہلِ حشر ہے کوئی نقادِ سوزِ دل
لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کئے ہوئے

فانی اب ان کی یاد پہ کیا کیجئے نثار
مدت ہوئی وداعِ دل و جاں کئے ہوئے

ستم ایجاد رہو گے ستم ایجاد رہے
اس میں اب شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے

آپ نے عہد کیا ہے مری غمخواری کا
اب اجازت ہو تو یہ عہد مجھے یاد رہے

کر مری توبہ کو مقبول شکستِ توبہ
میری تدبیر میں تقدیر کی افتاد رہے

قیدِ ہستی سے بہت تم نے کئے ہیں آزاد
کوئی اس قیدِ محبت کی بھی میعاد رہے

وہ خدائی ہو تو ہو شانِ تجلی تو نہیں
جس تجلی میں نگاہوں کو خدا یاد رہے

ظلم ہے تجھ سے بہ تقریبِ تکلف منسوب
ورنہ تقدیرِ وفا یہ ہے کہ برباد رہے

دلِ آباد کا فانی کوئی مفہوم نہیں
ہاں مگر جس میں کوئی حسرتِ برباد رہے

شکوہ کیا کیجئے نگاہِ یار خود غم دیدہ ہے
کیا تماشا ہے کہ دل کا چور بھی دزدیدہ ہے

اس کی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ رے وہم
بلبلا ہے عینِ دریا پھر بھی دامن چیدہ ہے

مائلِ پرواز ہے مقتل میں خونِ گرمِ دل
آتشی سیال تھا اب شعلۂ بالیدہ ہے

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات
مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

اثرِ عشق تغافل بھی ہے بیداد بھی ہے
وہی تقصیر ہے تعزیر بدل جاتی ہے

کہتے کہتے مرا افسانہ گلہ ہوتا ہے
دیکھتے دیکھتے تقدیر بدل جاتی ہے

روز ہے دردِ محبت کا نرالا انداز
روز دل میں تری تصویر بدل جاتی ہے

گھر میں رہتا ہے ترے دم سے اجالا ہی کچھ اور — مہ و خورشید کی تنویر بدل جاتی ہے

غم نصیبوں میں ہے فانی غم دنیا ہو کہ عشق
دل کی تقدیر سے تدبیر بدل جاتی ہے

دنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے — موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے
آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں — جو اجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے
خود جو نہ ہونے کا ہو عدم کیا اسے ہونا کہتے ہیں — نیست نہ ہو تو ہست نہیں یہ ہستی کیا ہستی ہے
عجز گناہ کے دم تک ہیں عصمت کامل کے جلوے — پستی ہے تو بلندی ہے راز بلندی پستی ہے
جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں — آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے
وحشت دل سے پھرنا ہے اپنے خدا سے پھر جانا — دیوانے یہ ہوش نہیں یہ تو ہوش پرستی ہے
جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھوں کا کیا حال ہوا — جب بھی دنیا بستی تھی اب بھی دنیا بستی ہے
آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ امڈا آتا ہے — دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے
دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم — بستی بسنا کھیل نہیں بستے بستے بستی ہے

فانی جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

تیرے غم میں تباہ ہوتی ہے — زندگی روبراہ ہوتی ہے
دل میں آ کر جو آہ ہوتی ہے — سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
تجھ سے انکار بن نہیں پڑتا — اپنی ہستی گواہ ہوتی ہے
طاقت ضبط کا سوال نہیں — اب تو ہر سانس آہ ہوتی ہے
ہم کہاں اور نگاہ شوق کہاں — وہ بھی تیری نگاہ ہوتی ہے

تو شمع آئینہ خانہ ہے آئینہ کیا ہے — تری خدائی کے قربان ماسوا کیا ہے

اٹھا بھی دے نگہ ماسوا نگر کا حجاب
یہ دیکھنے ہی کا پردہ ہے دیکھتا کیا ہے

کیا ہے خلق مجھے باوجود علم گناہ
یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

لبیک کہا کس کو حیات ابدی نے
دم توڑ دیا کیا ترے قدموں پہ کسی نے

مجموعۂ آداب دو عالم ہے محبت
مرنے کے سلیقے ہیں نہ جینے کے قرینے

مرتے ہی بن آتی ہے نہ جیتے ہی بن آئی
مارا مجھے قاتل کی مسیحا نفسی نے

پڑتا نہیں اس آئینہ میں عکس کوئی اور
دل میں تری تصویر سی رکھ دی ہے کسی نے

آئینہ بصد جلوہ و ہر جلوہ بصد رنگ
کیا کیا نہ کیا تیری تماشا طلبی نے

دو نام ہیں ہستی و فنا ایک ہی دل کے
مارا ہے اسی دل نے جلایا ہے اسی نے

امید بھی کیا شے ہے کہ ہر سانس میں فانی
کچھ زندگی خضر کے پاتا ہوں قرینے

ابھری ہوئی ہے چوٹ دل دردمند کی
رکھنا قدم تصور جاناں سنبھال کے

کہتے ہیں جن کو عرف محبت میں داغ دل
وہ نقش تو ہوں ترے پائے خیال کے

ہنگامۂ شباب ہے اے دل ذرا ٹھہر
جاتا ہے تو کہاں مجھے آفت میں ڈال کے

قربان ایک آمد غم پر ہزار دل
صدقے اس ابتدائے قیامت مآل کے

دل جو عالم میں فرد رہتا ہے
نذر ارباب درد رہتا ہے

جانے دل کے لہو پہ کیا گزری
رنگ اشکوں کا زرد رہتا ہے

سوز غم کی نہ پوچھ ضبط کو دیکھ
یہ جہنم بھی سرد رہتا ہے

مژدہ انجام غم کہ پہلو میں
دل بہ عنوان درد رہتا ہے

ذرے ذرے کے روپ میں فانی
کوئی صحرا نورد رہتا ہے

سمائیں آنکھ میں کیا شعبدے قیامت کے
مری نظر میں ہیں جلوے کسی کی قامت کے

یہاں بلائے شب غم وہاں بہار شباب
کسی کی رات کسی کے ہیں دن قیامت کے

ستارے ہوں تو ستارے نہوں تو برق بلا
چراغ ہیں تو یہ ہیں بیکسوں کی تربت کے

الٹ دیا غم عشق مجاز نے پردہ
حجاب حسن میں کچھ راز تھے حقیقت کے

اڑا لئے ہیں کچھ انداز موت نے فانی
عتاب یار کے روز سیاہ فرقت کے

آہ اب تک تو بے اثر نہ ہوئی
کچھ تمھیں کو مری خبر نہ ہوئی

شام سے فکر صبح کیا شب ہجر
مر رہیں گے اگر سحر نہ ہوئی

کس سے دل کا سراغ پائینگے ہم
تو ہی اے آرزو اگر نہ ہوئی

خلق سمجھی مجھی کو دیوانہ
چارہ فرمائے چارہ گر نہ ہوئی

کچھ نظر کہہ گئی زباں نہ کھلی
بات ان سے ہوئی مگر نہ ہوئی

شکوہ کیا ان سے خون ناحق کا
زندگی تھی ہوئی بسر نہ ہوئی

حشر کا دن بھی ڈھل گیا فانی
دل کی روداد مختصر نہ ہوئی

دیا اک جان کے دشمن کو دل جاں نذر دلبر کی
یہ ہے اپنی کہانی قصہ کوتہ زندگی بھر کی

الٰہی کیا خبر لاتا ہے قاصد وصل دلبر کی
بلائیں لے رہی ہیں میری تدبیریں مقدر کی

قضا آئی طبیب آیا وہ آئے دیکھ کون آیا
کسی نے اے جنوں زنجیر کھڑکائی مرے در کی

وہ شام وصل دشمن زلف سلجھاتے ہیں رک رک کر
انھیں یاد آگئیں کیا گتھیاں میرے مقدر کی

اجل کی آرزو ہو دل میں فانی اور دنیا ہو
خدا رکھے یہی رونق ہے اس اجڑے ہوئے گھر کی

ہر ستم کا یہ تقاضا ہے کہ ہو فریاد بھی
اب تو جینا ہی پڑے گا شاد بھی ناشاد بھی

گلشن تصویر میں تھے طائر تصویر ہم کیا کہیں کیونکر رہے مجبور بھی آزاد بھی
خیر ہے کیا چاہتی ہے اے نسیم کوئے یار اب تو ظالم میری مٹی ہو چکی برباد بھی

اجل جو آئے تو اپنا بھی کام ہو جائے تمام عمر کا قصہ تمام ہو جائے
نگاہ ناز کا صدقہ نیاز مند ہیں ہم کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے
نہیں ضرور کہ مر جائیں جاں نثار تیرے یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے
تری خدائی میں ہوتی ہی ہے سحر کی شام الٰہی اپنی سحر کی بھی شام ہو جائے

جنس دل مفت پھنسا کر کوئی دیوانہ بنے زلف جاناں سی بلا ہے کوئی سودا نہ بنے
اے تری شان کہ بت خانہ تو کعبہ بن جائے دل کہ مسکن ہی ترا کعبہ سے بت خانہ بنے
لب تک غم ہجر تو شکوہ ہو جائے آپ سن لیں تو عجب کیا ہے کہ افسانہ بنے

کی وفا یار سے ایک ایک جفا کے بدلے ہم نے گن گن کے لئے خون وفا کے بدلے
کی سپرد در بت خانہ اجل نے مری خاک کس کو سونپا مجھے ظالم نے خدا کے بدلے
لطف بیداد ۔ حیا ۔ غصہ ۔ تغافل ۔ شوخی رنگ کیا کیا نہ تلون نے ادا کے بدلے
ہائے میں کشتۂ انداز ہوں یارب کس کا حور آئی مجھے لینے کو قضا کے بدلے
تیر سے تیغ سے خنجر سے سناں سے مارا کئی پہلو مرے قاتل نے قضا کے بدلے
کفن لے کر لحد دیکھ نہ میلا ہو جائے آج ہی ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے
عشق اللہ بچائے وہ مرض ہے فانی
زہر بیمار کو دیتے ہیں دوا کے بدلے

فانی کف قاتل میں شمشیر نظر آئی لے خواب محبت کی تعبیر نظر آئی

پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی — لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی
جب میں نے دعاؤں کا رُخ سوئے فلک دیکھا — تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی
جو دل سے نکل آئی وہ آہ رسا دیکھی — جو ڈوب گئی دل میں وہ تیر نظر آئی
ہر عیش کی محفل میں پروانہ کا ماتم تھا — جو شمع نظر آئی دلگیر نظر آئی
کعبہ میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا — اے قصر وفا تیری تعمیر نظر آئی
جب خون ہوا دل کا آنکھوں میں آ بیٹھے — آہوں کا حجاب اٹھا تاثیر نظر آئی
کایا غم دنیا کی وحشت نے پلٹ دی ہے — خاک رہِ ویرانہ اکسیر نظر آئی
دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے — دھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی
دل اُن کے زمانے تک لبریز شکایت تھا — وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی

فانی غمِ ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک مرے مرنے میں تاخیر نظر آئی

دل کی لگی نہیں تو خیر اب کوئی دل لگی سہی — فتنۂ شام کے بعد فتنۂ حشر ہی سہی
سازِ خیالِ یار سے چھیڑ چلی ہی کیوں نہ جائے — نغمۂ آرزو سنا نوحۂ یاس ہی سہی
شیوۂ عاشقی نہیں ہجر میں آرزوئے مرگ — ہاں نہیں زندگی عزیز موت ہی زندگی سہی

ہر چند کہ ہے لیکن ملتا ہے نشاں کوئی — پہلو میں تجھے ڈھونڈھے اے درد کہاں کوئی
یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہئے — تو چپ ہیں کہ کیا کہئے کھلتی ہے زباں کوئی
برگشتہ مقدر کی تاثیر ارے توبہ — دل ہی پہ پلٹ آئی کی آہ جہاں کوئی

شباب ہوش کی فی الجملہ یادگار ہوئی — جو عمر صرف تماشائے حسن یار ہوئی
حساب حسرت جرم نظارہ دل سے پوچھ — نظر تو ایک جھلک کی گناہگار ہوئی

بساطِ عجز میں اک آہ تھی متاعِ حیات
سو وہ بھی صرفِ ستم ہائے روزگار ہوئی

بقدرِ ہستیٔ دل ہے خمارِ غم بدنام
خزاں خراب باندازۂ بہار ہوئی

نہیں کہ آہ میں تاثیر ہی نہیں لیکن
یہ دل فگار کبھی آسماں فگار ہوئی

کرم ہے رازِ امیدِ کرم کی ہستی کا
امید تیرے کرم کی امیدوار ہوئی

بلا سے ہجر میں جینے کی انتہا تو ہے
وہ ایک بار ہوئی یا ہزار بار ہوئی

ازل میں خلق ہوئی تھی جو بجلیوں کی روح
تری نگاہ مری جانِ بے قرار ہوئی

مرے وجود کی حجت مرے عدم کی دلیل
وہ اک نظر تھی جو شاید جگر کے پار ہوئی

بہار، نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی

امیدِ مرگ پہ فانی نثار کیا کیجے
وہ زندگی کہ ہوئی بھی تو مستعار ہوئی

جب دل میں ترے غم نے حسرت کی بنا ڈالی
دنیا مری راحت کی قسمت نے بدل ڈالی

اب برقِ نشیمن کو ہر شاخ سے کیا مطلب
جس شاخ کو تاکا تھا وہ شاخ جلا ڈالی

اظہارِ محبت کی حسرت کو خدا سمجھے
ہم نے یہ کہانی بھی سو بار سنا ڈالی

جینے بھی نہیں دیتے مرنے بھی نہیں دیتے
کیا تم نے محبت کی ہر رسم اٹھا ڈالی

جینے میں نہ اب فانی مرنے میں شمار اپنا
ماتم کی بساط اس نے کیا کہہ کے اٹھا ڈالی

اب انھیں اپنی اداؤں سے حجاب آتا ہے
چشمِ بددور دلہن بن کے شباب آتا ہے

ہجر میں بھی مجھے امدادِ اجل تھی درکار
میری تربت پہ نہ آ تجھ سے حجاب آتا ہے

دیدِ آخر ہے الٹ دیجئے چہرے سے نقاب
آج مشتاق کے چہرے پہ نقاب آتا ہے

کس طرف جوشِ کرم تری نگاہیں اٹھیں
کون محشر میں سزاوارِ عتاب آتا ہے

موت کی نیند بھی اب چین سے سونا معلوم
کہ جگانے پہ وہ غارت گرِ خواب آتا ہے

دل کو اس طرح ٹھہر جانے کی عادت تو نہ تھی　　کیوں اجل کیا مرے نالے کا جواب آتا ہے
جلوۂ رنگ ہی نیرنگ تقاضائے نگاہ　　کوئی مجبور تماشائے سراب آتا ہے
ہو گیا خون ترے ہجر میں دل کا شاید　　اب تصور بھی ترا نقش بر آب آتا ہے

ملتی جلتی ہے مری عمر دو روزہ فانی
جی بھر آتا ہے اگر ذکر حباب آتا ہے

قطرہ دریائے آشنائی ہے　　کیا تری شان کبریائی ہے
تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے　　خلش درد کی بن آئی ہے
وہم کو بھی ترا نشاں نہ ملا　　نارسائی سی نارسائی ہے
کون دل ہے جو درد مند نہیں　　کیا ترے درد کی خدائی ہے
جلوۂ یار کا بھکاری ہوں　　شش جہت کاسۂ گدائی ہے
موت آتی ہے تم نہ آؤ گے　　تم نہ آئے تو موت آئی ہے
بچھ گئے راہ یار میں کانٹے　　کس کو عذر برہنہ پائی ہے
ترک امید بس کی بات نہیں　　ورنہ امید کب بر آئی ہے
مژدۂ جنت وصال ہے موت　　زندگی محشر جدائی ہے
آرزو پھر ہے در پئے تدبیر　　سعی ناکام کی دہائی ہے

موت ہی ساتھ دے تو دے فانی
عمر کو عذر بے وفائی ہے

کیوں نہ نیرنگ جنوں پر کوئی قرباں ہو جائے　　گھر وہ صحرا کہ بہار آئے تو زنداں ہو جائے
برق دم لینے کو ٹھہرے تو رگ جاں ہو جائے　　فتنۂ حشر مجسم ہو تو انساں ہو جائے
جوہر آئینۂ دل ہے وہ تصویر ہے تو　　دل وہ آئینہ کہ تو دیکھ کے حیراں ہو جائے
غم وہ راحت جسے قسمت کے دھنی پاتے ہیں　　دم وہ مشکل ہے کہ موت آئے تو آساں ہو جائے

عشق وہ کفر کہ ایماں ہے دل والوں کا — عقل مجبور وہ کافر جو مسلماں ہو جائے
ذرہ وہ راز بیاباں ہے جو افشا نہ ہوا — دشت وحشت ہے وہ ذرہ جو بیاباں ہو جائے
غم محسوس وہ باطل جسے کہتے ہیں مجاز — دل کی ہستی وہ حقیقت ہے جو عریاں ہو جائے
خلد میخانہ کو کہتے ہیں بقول واعظ — کعبہ بت خانے کو کہتے ہیں جو ویراں ہو جائے
سجدہ کہتے ہیں در یار پہ مر جانے کو — قبلہ وہ سر ہے جو خاک رہ جاناں ہو جائے

موت وہ دن بھی دکھائے مجھے جس دن فانی
زندگی اپنی جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے

اے کاش شہادت کے ارمان نکل جاتے — قاتل کی نگاہوں کے تیور ہی بدل جاتے
آتے وہ تو فرقت کے دکھ کیا ہیں اجل کیسی — آئی ہوئی ٹل جاتی آئے ہوئے ٹل جاتے
سر اب مجھے بھاری ہے صدقہ ترے خنجر کا — یہ بار اتر جاتا جو وار تھے چل جاتے

جس قدر چاہئے جلووں کو فراوانی دے — ہاں نظر دے تو مجھے فرصت حیرانی دے
ترجمان غم دل رنگ شکستہ ہے نہ آہ — کون اس عہد میں اب داد زباں دانی دے
وحشت تازہ کا نوروز مبارک اے عشق — پھر بہار آئی ہے مجھے خلعت عریانی دے
پھر تجھے زحمت درباں نہ مجھے شکوۂ غیر — میری قسمت کو جو تو خدمت دربانی دے
خلش درد سے کم مایۂ غم ہیں محروم — جنس حرماں کو خدا عزت ارزانی دے
ہے ہوس ہوش تو اس ہوش سے میں باز آیا — کاش پھر بے خبری مژدۂ نادانی دے
اپنے دیوانے پہ اتمام کرم کر یا رب — در و دیوار دئے اب انھیں ویرانی دے
سن کے افسانۂ دل پھر متبسم ہو جا — گریۂ شوق کو پھر دعوت طغیانی دے

رہ نہ جائے کہیں دشواری فانی باقی
اس کی مشکل کو بھی اب رخصت آسانی دے

وہ مشق خوئے تغافل پھر ایک بار رہے
بہت دنوں مرے ماتم میں سوگوار رہے

خدا کی مار جواب دل پہ اختیار رہے
بہت قرار کے پردے میں بیقرار رہے

کسی نے وعدۂ صبر آزما کیا تو ہے
خدا کرے کہ مجھے تاب انتظار رہے

فنا کے بعد یہ مجبوریاں ارے توبہ
کوئی مزار میں کوئی سر مزار رہے

سکون موت مری لاش کو نصیب نہیں
رہے مگر کوئی اتنا نہ بے قرار رہے

میں کب سے موت کے اس آسرے پہ جیتا ہوں
کہ زندگی مری مرنے کی یادگار رہے

جو دل بچا نہ سکے جان کیا بچا لیں گے
نہ اختیار رہا ہے نہ اختیار رہے

میں غم نصیب وہ مجبور شوق ہوں فانی
جو نامراد جئے اور امیدوار رہے

ہر چند کچھ اور ہے حقیقت
کہنے کو جو میں نہیں وہ تو ہے

کیا کیجئے سیر باغ عالم
گل پردہ نشیں رنگ و بو ہے

اللہ رے تری فسوں نوازی
جو دل ہے طلسم آرزو ہے

اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے
میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے

یا ترے محتاج ہیں اے خون دل
یا انہیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے

موت ان کا منہ ہی تکتی رہ گئی
جو تری فرقت کے صدمے سہہ گئے

تو سلامت ہے تو ہم اے دردِ دل
مر ہی جائینگے جو جیتے رہ گئے

پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا
پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے

اُٹھ گئے دنیا سے فانی اہل ذوق
ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

اس نور مجسم کے افسانے کو کیا کہئے
ہی شمع بھی پروانہ پروانے کو کیا کہئے

ہر در سے ترے طالب ناکام پلٹ آئے
کعبے میں ہو سنّاٹا بت خانے کو کیا کہئے

کچھ کھیل نہ تھا یوں بھی پروانے کا جل بجھنا
جل کر نہ بجھے ایسے پروانے کو کیا کہئے

آغاز بھی تو جس کا انجام بھی تو جس کا
اس درد محبت کے افسانے کو کیا کہئے

آبادی کی آبادی ویرانے کا ویرانہ
ارمان بھرے دل کے کاشانے کو کیا کہئے

اُجڑی ہوئی آنکھوں میں رونق ترے دم سے تھی
ویران ہی ہر بستی ویرانے کو کیا کہئے

کس نے اسے دیکھا ہی اے حسرت نظارہ
فانی تو ہے دیوانہ دیوانے کو کیا کہئے

رگ رگ میں اب انداز بسمل نظر آتا ہے
ہر سانس کے پردے میں قاتل نظر آتا ہے

وہ وعدۂ آساں پر مائل نظر آتا ہے
اب کار تمنا پھر مشکل نظر آتا ہے

تو دشنۂ و پہلو میں حائل نظر آتا ہے
جیتے ہیں کہ مرجانا مشکل نظر آتا ہے

ترک غم ساحل کا حاصل نظر آتا ہے
اے ڈوبنے والے وہ ساحل نظر آتا ہے

دل کھوئے ہوئے برسوں گزرے ہیں مگر اب بھی
آنسو نکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہے

آغاز محبت میں جینے ہی کے لالے تھے
اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے

تو مست خود آرائی ہم حسن کے متوالے
جو ہے تری محفل میں غافل نظر آتا ہے

رودادِ محبت کی تصویر ہے ہر آنسو
ہر قطرۂ خوں میں اک دل نظر آتا ہے

بے تابی بے صرفہ بے وجہ نہیں یعنی
دل درد محبت کے قابل نظر آتا ہے

موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانی
گرداب کی ہر تہ میں ساحل نظر آتا ہے

ہر دل ہے ترے غم کی امانت لئے ہوئے
ذرے ہیں اک جہان حقیقت لئے ہوئے

دے اذن عام عشق کو تاراج ہوش کا
بیٹھا ہوں دل میں صبر کی دولت لئے ہوئے

محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے

اس خاک دان تیرہ میں کیا ڈھونڈھتا ہوں میں
پھرتا ہوں شمع داغ محبت لئے ہوئے

کافر ہوں گر یقین نہ ہو کافر کی بات کا
وعدے ہیں اعتبار قیامت لئے ہوئے

روشن ہوئی وہ گورِ غریباں میں شمعِ طور
آغوش نور میں مری تربت لئے ہوئے

کترے ہیں یہ گل تیری اک جنبش دامن نے
یوں کرنہ لئے پیدا دو پھول بھی گلشن نے

بخشا جو شرف ان کے اڑتے ہوئے دامن نے
اٹھ اٹھ کے بلائیں لیں خاک سرمدفن نے

جو مجھ پہ ہوئی ایسی بیداد نہ کی ہوگی
اللہ کے بندوں پر اللہ کے دشمن نے

وہ قصۂ موسیٰ پھر اے سوز جگر کہنا
کس آگ کی چنگاری دی وادی ایمن نے

یہ سوختہ سامانی کس کس کے نہ کام آئی
لی ایک نہ اک بجلی ہر دانۂ خرمن نے

کل تک یہی گلشن تھا صیاد بھی بجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیر نشیمن نے

یہ رشک و محبت کی روداد ہے لے فانی
اک دوست کے پردے میں مارا غم دشمن نے

مشتاق نگاہوں کی اللہ رے رسوائی
میں محو تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی

تیری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے تھے
تقدیر بگڑ بیٹھی تدبیر نہ کام آئی

بیداد کے اس تیور اس حسن کے میں صدقے
ان کو مرے مرنے پر آئی تو ہنسی آئی

لبریز تموج تھا اک اک خط پیمانہ
محفل سی جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکر بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

گل خزاں سے راز کا محرم نظر آیا مجھے
ہر تبسم پردہ دارِ غم نظر آیا مجھے

کس کو کہئے ماسوا جب تو نہیں تو کچھ نہیں
تو نظر آیا تو اک عالم نظر آیا مجھے

حد پہ جب پہنچی نظر حد نظر آگے بڑھی
جو نظر آیا زیادہ کم نظر آیا مجھے

نوحۂ تدبیر تھا تقدیر کا ایک ایک حرف — خط پیشانی صفِ ماتم نظر آیا مجھے
جو تجھے سمجھا اسے دنیا سمجھ سکتی نہیں — راز تھا جو رازِ کا محرم نظر آیا مجھے
زخم کے مرہم بھی دیکھے مرہم بے زخم بھی — زخمِ دل ہی زخم بے مرہم نظر آیا مجھے
میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

تھم تھم کے آ رہی ہیں دمِ نزع ہچکیاں — رہ رہ کے ٹوٹتی ہیں امیدیں رہی سہی
دشوار تو نہیں غمِ ہستی کا خاتمہ — انکی خوشی نہیں ہے تو ان کی خوشی سہی
لے انتیازِ جور ہی ہم نے اٹھا دیا — تو بے وفا نہیں ہے تو اچھا یہی سہی

جس سمت نگاہ یک نگر جائے — تو آئے نظر جدھر نظر جائے
اچھا ہے جو نالہ بے اثر جائے — کیوں میری بلا کسی کے سر جائے
ہاں ناخنِ غم کمی نہ کرنا — ڈرتا ہوں کہ زخمِ دل نہ بھر جائے
جیتے بھی ہیں تم پہ مرنے والے — غم زہر نہیں جو کام کر جائے
کر خوئے جفا نہ یک بیک ترک — کیا جانئے مجھ پہ کیا گزر جائے
اُٹھ جائے جدھر نگاہِ ساقی — نشتر رگِ ہوش میں اتر جائے
فانی تو اور سکوں کی امید
دل اور ترے جیتے جی ٹھہر جائے

ادائیں آ گئیں کوئے بتاں کی — زمیں تک ہے رسائی آسماں کی
زباں کٹتی ہے ذکرِ آشیاں پہ — تمنا بھی بہت تھی آشیاں کی
امید پھر ہے ایمان اپنا — قسم ہے اس دلِ نامہرباں کی
یہ دل ہے یادگارِ ناوکِ ناز — نشانی ہے یہ زخمِ بے نشاں کی

نوید ربط ہے ہر جور لیکن — کہاں سے لاؤں طاقت امتحاں کی
مری تربت کے سناٹے میں اب تک — صدائیں گونجتی ہیں الاماں کی
حرم میں آ ہی نکلے ہیں تو فانی
یہ کیا کہیے کہ نیت تھی کہاں کی

دوری ہی بھلی تھی نزدیکیٔ منزل سے — کشتی کو بلا ساحل ٹکرا گئی منزل سے
شاید مرے مرنے کا دلچسپ نہ تھا منظر — آج ان سے مری حالت دیکھی گئی مشکل سے
ایمان محبت کی بجھتی نہیں چنگاری — اٹھتا ہی دھواں اب تک خاک حرم دل سے
ہوتا نہیں اب ان کی محفل میں شمار اپنا — یوں بیٹھے ہیں ہم جیسے اٹھ سی گئے محفل سے
وہ ہم سے کہاں چھپتے ہم خود ہیں حجاب ان کا — محمل میں جو چھپتے ہیں چھپتے نہیں محمل سے
تجھ کو یہ خبر ہوگی ہم کو تو نہ تھی ناصح — پہلی ہی نظر اٹھ کر لڑ جائے گی قاتل سے
غربت میں غنیمت ہے اتنا بھی نشاں فانی
کچھ خاک کے ذرے ہیں لپٹے ہوئے منزل سے

کیا چاہتے ہو منہ سے اللہ بھی نہ نکلے — ارمان دل بقدر یک آہ بھی نہ نکلے
چاہوں بھی اور یہ ضد ہی چاہا انھیں کا چاہوں — دل سے دعا بھی نکلے دل خواہ بھی نہ نکلے
اللہ رے سخت جانی شب ہائے غم کے نالے — تاثیر کیا دکھاتے جاں کاہ بھی نہ نکلے
ہر راہ سے گزر کر دل کی طرف چلا ہوں — کیا ہو جو ان کے گھر کی یہ راہ بھی نہ نکلے
کیا وصف جور بھی ہے اب ناگوار خاطر — دل سے شکست دل پر اب واہ بھی نہ نکلے
شکوہ نہ کر فغاں کا وہ دن خدا نہ لائے — تیری جفا پہ دل سے جب آہ بھی نہ نکلے
اے جان دل کے دشمن یہ کیا کہ جان فانی
نکلے بھی اور دل کے ہمراہ بھی نہ نکلے

گلچیں کے لئے اور نہ گلشن کے لئے ہے — جو گل ہے ترے گوشۂ دامن کے لئے ہے

تو اور وفا مجھ سے اور امید نوازش — تو دوست کے بس کا ہے نہ دشمن کے لئے ہے
چل گور غریباں میں نہ اس خاک سے بچ کر — تیرے ہی جو سمٹے ہوئے دامن کے لئے ہے

مدفن جو سر رہ گزر دوست ہے فانی
روز ایک قیامت مرے مدفن کے لئے ہے

دم نزع آ دیکھا انجام فرقت — جدا ہو رہے ہیں جدا ہونے والے
خدائی کے سر جھک گئے انکے در پر — یہ کافر ہیں کیا جانے کیا ہونے والے
کبھی تو مرے درد دل کی خبر لے — مرے درد سے آشنا ہونے والے
مجھے موت کا آسرا دے رہے ہیں — مری زیست کا مدعا ہونے والے

کوئی بے نیازی کی حد بندہ پرور
کسی کے ہوں شاید خدا ہونے والے

تیری قدرت کا نظارہ ہے مرا عجز گناہ — تیری رحمت کا اشارہ ہے ندامت میری
لو تبسم بھی شریک نگہ ناز ہوا — آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت میری

فیض یک لمحۂ دیدار سلامت فانی
غم ہر روز ہے بڑھتی ہوئی دولت میری

ہر بلائے شام فرقت دیکھ لی — ہم نے دنیا میں قیامت دیکھ لی
پھر نہ اس دل کو ہوئی راحت نصیب — تو نے جس دل میں محبت دیکھ لی
ذوق نظارہ سلامت چاہیے — جس طرف دیکھا وہ صورت دیکھ لی
واہ ری رنگینی بزم خیال — دل کے ہر گوشہ میں جنت دیکھ لی

آپ نے انجام دیکھا عشق کا
آپ نے فانی کی تربت دیکھ لی

موت کی رسم نہ تھی ان کی ادا سے پہلے — زندگی درد بنائی تھی دوا سے پہلے

کیوں رہے بیچ میں واسطۂ حسنِ قبول — بند کر باب اثر میری دعا سے پہلے
کاٹ ہی دیں گے قیامت کا دن اک اور یہی — دن گزارے ہیں محبت میں قضا سے پہلے
میری عادت ہے وفا ان پہ کچھ احسان نہیں — تھا مجھے ذوقِ وفا ان کی جفا سے پہلے
دو گھڑی کے لئے میزانِ عدالت ٹھہری — کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے
کچھ ادائیں ہیں جنھیں قتل عبث ہے منظور — کچھ سزائیں ہیں جو ملتی ہیں خطا سے پہلے
تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول اٹھے — وہ جو معصوم شرارت تھی ادا سے پہلے
ہائے ان کا مری میت پہ یہ عذرِ تاخیر — سو گئے تم مرے دامن کی ہوا سے پہلے

دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈھ رہا ہے فانی
زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے

وفا بیگانۂ رسمِ بیاں ہے — خموشی اہلِ دل کی داستاں ہے
مرا دل ہے کسی کی یاد کا نام — محبت میری ہستی کا نشاں ہے
تماشا چاہیئے تابِ نظر دے — نگاہِ شوق ہے اور رائیگاں ہے
مسلّم پرسشِ بیمار لیکن — وہ شانِ چارہ فرمائی کہاں ہے
ترا نقشِ قدم ہے ذرہ ذرہ — زمیں کہتے ہیں جس کو آسماں ہے
بچے گی دل کی پامالی کہاں تک — تجلی کارواں در کارواں ہے
مجھی پر ہیں جفائیں چشمِ بد دور — خدا رکھے وہ مجھ پر مہرباں ہے
پھر اب منظور ہے ہنگامۂ برق — پھر اب قصدِ بنائے آشیاں ہے

وہ دل کی آڑ میں رہتے ہیں فانی
تمنا میرے ان کے درمیاں ہے

وہ میری لاش پہ تہمت سی کچھ اٹھا کے چلے — مجھے قرار سے دیکھا تو مسکرا کے چلے
یہ دل حریفِ تجلی ہی کیوں بنایا تھا — کہ جب یہ نقشِ دوئی بن گیا مٹا کے چلے

اداے دعوت نظارہ دیدنی ہے کہ وہ — مری نگاہ سے نظریں بچا بچا کے چلے
مگر نمود مشیت وجود تھا اپنا — رضاے دوست کو ہم آئینہ دکھا کے چلے
بلاکشوں کا تمھاری بلا کرے ماتم — جو غم اٹھانے کو آئے تھے غم اٹھا کے چلے
کرم کیا تو باندازۂ تبسم برق — وہ کچھ خیال میں آئے ہی تھے کہ آ کے چلے

یہ لطف عام ہے فانیؔ یہ کچھ نہیں موقوف
جدھر حضور گئے بجلیاں گرا کے چلے

ہر کی جو نگاہ تھی خنجر بے پناہ تھی — درد جگر کی ہر دوا درد مآل ہو گئی
موت فراق یار میں درپے انقلاب ہے — نیند جو کل حرام تھی آج حلال ہو گئی
فرصت یک نظر کے بعد حوصلۂ دعائے وصل — کیوں دل قدر ناشناس اب یہ مجال ہو گئی
میری وفا جفا فروش گریہ تبسم آفریں — عشق کی ساری کائنات صرفِ جمال ہو گئی
حسن کی وہ لطافتیں عشق کی وہ نزاکتیں — ہائے وہ زندگی جو اب خواب و خیال ہو گئی

راز تھے میرے زخمہائے جگر — تو ذرا تم نے سی دئے ہوتے
ضبط کا حوصلہ نکل جاتا — کچھ ستم اور بھی کئے ہوتے
زندگی بے دلوں پہ تہمت تھی — مر نہ جاتے اگر جئے ہوتے
کچھ سمجھ کر قفس میں اے صیاد — چار تنکے ہی رکھ دئے ہوتے
گل دئے تھے تو کاش فصل بہار — تو نے کانٹے بھی چن لئے ہوتے

تھے بہر ان کے دئے ہوئے فانیؔ
اور صدمے اٹھا لئے ہوتے

سوال وصل پہ تیوری چڑھائی جاتی ہے — مجال دید پہ بجلی گرائی جاتی ہے
خدا بخیر کرے ضبط شوق کا انجام — نقاب میری نظر سے اٹھائی جاتی ہے

اسی کو جلوۂ ایمانِ عشق کہتے ہیں — ہجوم یاس میں بھی آس پائی جاتی ہے
اب آ گئے ہو تو اور اک ذرا ٹھہر جاؤ — ابھی ابھی مری میت اٹھائی جاتی ہے
مرے قیاس کو اپنی تلاش میں کھو کر — مرے حواس کو دنیا دکھائی جاتی ہے

چونک پڑتے ہیں ذکرِ فانی سے — نیند اچٹتی ہے اس کہانی سے
تیری نامہربانیوں کی قسم — لاگ ہے دل کو مہربانی سے
ہم نے اپنا سراغ پا ہی لیا — اِک شانِ بے نشانی سے
حشر کو بھی ہے دور کی نسبت — چشمِ بد دور اس جوانی سے
مژدۂ مرگِ ناگہاں کی پناہ — فتنۂ عمرِ جاودانی سے
کاش میری زباں سے سنتے — اب جو سنتے ہو بے زبانی سے

کچھ خبر بھی ہے روٹھنے والے
زندگی روٹھتی ہے فانیؔ سے

عرصۂ حشر دور ہے خاکِ دلِ حزیں سہی — مشقِ خرامِ ناز کر واں نہ سہی یہیں سہی
سر نہیں سنگِ در تو ہی ترکِ کر نمازِ عشق — خاکِ جبیں سے کام لے سجدۂ بے جبیں سہی
ہے ترے تیرِ ناز کے رُخ پہ نشانہ منحصر — دل ہو جگر ہو کوئی ہو تیرِ نگاہ کہیں سہی
اے دمِ واپسیں ٹھہر، دردِ فراق المدد — ایک ہی آج اشکِ غم حاصلِ آستیں سہی
میں ہوں رہینِ انتظار آئے یا نہ آئے — لینے یقیں کو کیا کروں آپ کی ہاں نہیں سہی
سن تو لیا ہے حالِ دل دیکھئے سن کے کیا کہیں — پھر مرے منہ کی بات ہے کیسی ہی دلنشیں سہی

فانیؔ زار پر کرم تیری رضا کے ہے سپرد
ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں نہیں سہی

درد کی دنیا بدل جانے کو ہے — دم محبت میں نکل جانے کو ہے

پھر ترا غم کارفرما چاہیئے
پھر طبیعت کچھ سنبھل جانے کو ہے

مختصر کرتا ہوں اب روداد شوق
آفتاب حشر ڈھل جانے کو ہے

کیا تری چشم فسوں گر کہہ گئی
پھر مری حسرت مچل جانے کو ہے

فانی اسرار غم فردا نہ پوچھ
وعدۂ فردا بھی ڈھل جانے کو ہے

بے ذوق نظر بزم تماشا نہ رہے گی
منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی

ایذا نہ رہے گی جو گوارا نہ رہے گی
چھیڑا مجھے دنیا نے تو دنیا نہ رہے گی

دل لے کے یہ کیا ضد ہے کہ اب جان بھی کیوں ہو
یہ بھی نہ رہے گی بہت اچھا نہ رہے گی

یہ درد محبت غم دنیا تو نہیں ہے
اب موت بھی جینے کا سہارا نہ رہے گی

ایسا بھی کوئی دن مری قسمت میں ہے فانی
جس دن مجھے مرنے کی تمنا نہ رہے گی

کم درد جگر ہے یا بہت ہے
جو آپ سے مل گیا بہت ہے

پچھتائینگے آپ دل کو دے کر
کم بخت غم آشنا بہت ہے

تکلیف جفا بھی کیوں کریں آپ
احسان غم وفا بہت ہے

کیا چاہیئے اور زندگی کو
مر رہنے کا آسرا بہت ہے

وہ نظر کامیاب ہو کے رہی
دل کی بستی خراب ہو کے رہی

عشق کا نام کیوں کریں بدنام
زندگی تھی عذاب ہو کے رہی

نگہ شوق کا مآل نہ پوچھ
سربسر اضطراب ہو کے رہی

تم نے دیکھا کہ مرگ مظلومی
جان صد انقلاب ہو کے رہی

چشم ساقی کہ تھی کبھی مخمور
خود ہی آخر شراب ہو کے رہی

تاب نظارہ لا سکا نہ کوئی
بے حجابی حجاب ہو کے رہی

حشر کے دن کسی کی ہر بیداد　　کرم بے حساب ہو کے رہی
سامنے دل کا آئینہ رکھ کر　　ہر ادا لاجواب ہو کے رہی

ہم سے فانیؔ نہ چھپ سکا غم دوست
آرزو بے نقاب ہو کے رہی

تہِ خنجر بھی جو بسمل نہیں ہونے پاتے　　مر کے شرمندۂ قاتل نہیں ہونے پاتے
حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں　　بزمِ زنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے
موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا　　رخ مگر جانب ساحل نہیں ہونے پاتے
دل تو سب کو تری سرکار سے مل جاتے ہیں　　درد جب تک نہ ملے دل نہیں ہونے پاتے
تو کہاں ہے کہ تیری راہ میں یہ کعبہ و دیر　　نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے
کوئی چٹکی سی کلیجے میں لئے جاتا ہے　　ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے
ترا انعام سمجھتا ہوں ان ارمانوں کو　　مری کوشش کا جو حاصل نہیں ہونے پاتے

خود تجلی کو نہیں اذن حضوری فانیؔ
آئینے ان کے مقابل نہیں ہونے پاتے

موت بھی فرقت میں ٹل کر رہ گئی　　آخری صورت نکل کر رہ گئی
اہل دنیا حشر جس کو کہہ اٹھے　　وہ نظر کیا چال چل کر رہ گئی
جل رہے ہیں آج تک دل کے چراغ　　طور پر اک شمع جل کر رہ گئی
زندگی کی دوسری کروٹ تھی موت　　زندگی کروٹ بدل کر رہ گئی
لب رہے ناآشنائے دردِ دل　　آہ بھی دل سے نکل کر رہ گئی
چھین لیا تیری محبت نے مجھے　　اور دنیا ہاتھ مل کر رہ گئی

اب کہاں فانیؔ وہ جوشِ اضطراب
کیا طبیعت تھی سنبھل کر رہ گئی

متفرق اشعار

کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار　　مجھ سے اظہار مدعا نہ ہوا
وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں　　آسماں آج زیر پا نہ ہوا

دل ہی پھر تیر ہے جو دل میں نہیں　　تیر ان کا خطا نہیں ہوتا
دل برباد کیا ہوا آخر　　کوئی ذرہ فنا نہیں ہوتا

آہ بتوں پر دل کیا آیا ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا جان گئی ایمان گیا

دل ہی وہ خانماں خراب نہیں　　جس کو توفیق اضطراب نہیں
میں ہی اپنا حجاب ہوں ورنہ　　تیرے منہ پر کوئی نقاب نہیں

ہے شان عبودیت مصروف دعا ہونا　　منظور مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا
بنیاد جہاں کیا ہے مجبور فنا ہونا　　سرمایۂ ہستی ہے محرم بقا ہونا

راز حقیقت جاننے والے دیکھئے اب کیا کہتے ہیں
دل کو ہم اپنا دل نہیں کہتے تیری تمنا کہتے ہیں

ہر نفس آہ اور انفاس پہ جینے کا مدار　　زندگی آہ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

ہجر میں نامرادِ زیست جی سے گزر نہ جائے کیوں / ہو جنھیں زندگی نصیب موت انھیں کو آئے کیوں
حسن سے راہ چاہیے ذوقِ نگاہ چاہیے / جب کوئی روبرو نہ ہو سامنے کوئی آئے کیوں

آ کے تماشا گاہِ جہاں میں دادِ تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرہ کہتا ہے میں ذرہ نہیں اک دنیا ہوں
محوِ تماشا ہوں میں یا رب یا مدہوشِ تماشا ہوں
اس نے کب کا پھیر لیا منہ اب کس کا منہ تکتا ہوں

ترے فراق میں حالت تباہ سی ہے تباہ / نہ دل پہ ہاتھ نہ اب سوئے آسماں ہے نگاہ
سرورِ وعدہ کہیں اور کہیں غمِ ملگاہ / خیالِ دوست کی نیرنگیاں خدا کی پناہ

شب گریۂ غم کے طوفاں کا وہ جوش وہ اے توبہ
ہر اشک امڈ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا دریا ہوں

سازِ ہستی کو بس اب قم کے اشارے سے نہ چھیڑ / اس میں ٹوٹے ہوئے دل کی نہ ہو آواز کہیں

آٹھ پہر کسی کی آنکھ بند نہ کیوں رہا کرے / دید ہو یا امید ہو کچھ بھی نہ ہو تو کیا کرے
ہے تری بارگاہ میں حرفِ غلط ہر آرزو / کوئی دعا نہیں قبول لاکھ کوئی دعا کرے

کچھ آگہی سی اپنی حقیقت سے ہے مجھے / امید بے سبب تری رحمت سے ہے مجھے

غم کے ٹھوکے کچھ ہوں بلا سے آ کے جگا تو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے جاگتے ہی سو جاتے ہیں

رسم بیداد دوست عام ہوئی　　تلخی زیست بھی حرام ہوئی

کہتے ہیں یہاں حضرت فانؔی تو نہیں ہیں　　اس انجمن ناز میں کیا ہم بھی کہیں ہیں

تو بھی تو ماسوا بھی تو ہی ہے　　رنگ و بو رنگ ہے نہ بو ہی ہے
پاس وضع حیات کیا کہنا　　آرزو ہے تو آرزو ہی ہے

گو ہستی تھی خواب پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اٹھتے تھے ہم گھبرا کر پھر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

دیکھ فانؔی وہ کوئی حشر اٹھاتا آیا　　چونک اب خواب لحد سے کہ سحر ہوتی ہے

کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ　　کہ خدا بھی ہے ناخدا ہی نہیں
میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے　　تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

مجھے مرنے کی حسرت کار مشکل کی تمنا ہے　　مراد دم بھی کسی ناکام کے دل کی تمنا ہے
اجل سے ہے دل مایوس کو امید آسائش　　مری ڈوبی ہوئی کشتی کو ساحل کی تمنا ہے

جینے کی ہوس بھی ہے مر رہنے کی حسرت بھی — وہ ایک تری مرضی جو غم بھی ہے راحت بھی
اس مشغلۂ غم میں کیا لطف حیات اُٹھے — ملتی ہے کہیں فانی مر رہنے کی فرصت بھی

ہے جو اس کان ملاحت سے طلبگار نمک — زخم دل شاید تبسم آفریں ہونے کو ہے
اللہ اللہ سرخیِ رنگِ شفق کیوں اے جنوں — آسماں کیا کوئے قاتل کی زمیں ہونے کو ہے

مطلب ہے ضبط عشق سے تاثیر درد عشق — اخفائے حال سے غرض افشائے حال ہے
روداد مرگ و زیست ہے یہ قصہ مختصر — مجبور زندگی کو بھی جینا محال ہے

روح کا آنسوؤں بھری آنکھوں میں باتراب ہے — آ کہ حیات مستعار نقش بر روئے آب ہے
قاعدہ دان ضبط ہے شعلۂ غم کی داد دے — برق کی وضع پر نہ جا بندۂ اضطراب ہے

اے داغ دل اے کھوئے ہوئے دل کی نشانی — آ فانیِ بے دل تجھے سینے سے لگائے

عالم ہستی یا رب کیا آباد ویرانہ ہے — جس نے یہاں کچھ ہوش سنبھالا وہی دیوانہ ہے
کس کو یہاں امید اثر ہم دل کو سمجھا لیتے ہیں — حال دل اس سے یوں کہتے ہیں گویا اک افسانہ ہے

میں بھی اک پرتو ہستی ہوں مگر کیا کہئے — قطرہ دریا سہی کس قطرے کو دریا کہئے
تھی نظر صرف تماشا وہ زمانہ گزرا — اب کوئی دن مری آنکھوں کو تماشا کہئے

جادو جگا گئی ہے جب سے نظر کی مستی — بے ہوش منتقل ہے اس رہگزر کی بستی

قطعات

یاس ہے اور خاطرِ بیتاب
آرزو ہے نہ کوئی حسرت ہے
عمرِ جاوید اب عزیز نہیں
جان فانی کو عزمِ رحلت ہے

اب وہ راتیں کہاں شباب کہاں
ہو گئی صبح وقتِ خواب کہاں
یاس ہے اب نہ آرزو فانی
دل ہو بیتاب اب یہ تاب کہاں

دم لینے کی تو مہلت ملنا ہی چاہیے تھی
دن رات بحرِ غم میں کیا غرق چاہیے تھا
فانی کی زندگی بھی کچھ زندگی تھی یارب
موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیے تھا

قطعات در مدح

اعلیحضرت قدر قدرت سکندر شوکت دارا حشمت فریدوں منزلت ہز اگزالٹڈ ہائینس
آصف جاہ سابع حضور پرنور نواب میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ سلطان العلوم
جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی سی۔ بی، ای شہریار دکن

شاہ عثماں آصف سابع امیر المومنیں
سچ تو یہ ہے آبروئے ملک و ملت تجھ سے ہے

تو ہی سلطان المعانی تو ہے سلطان العلوم
علم کی زینت ادب کی قدر و قیمت تجھ سے ہے

غیرت بغداد و رشک قرطبہ ہے آج کل
وہ دکن سارے جہاں میں جس کی شہرت تجھ سے ہے

تیرے دم سے آج بھی روشن ہے حکمت کا چراغ
آج بھی آباد بزم اہل ہمت تجھ سے ہے

گو ہماری پستیاں دنیا میں ہیں ضرب المثل
پھر بھی اپنی پستیوں میں شان رفعت تجھ سے ہے

حیف ان پر جو ترے دامن سے وابستہ نہیں
وہ مبارک قسمتیں ہیں جن کو نسبت تجھ سے ہے

کس کے دل میں درد ہے ارباب علم و فضل کا
ملک میں اہل ہنر کی آج عزت تجھ سے ہے

جو ہوا ہی چاہتی تھی کل حوادث کا شکار
اس زباں میں اب زباں بننے کی قدرت تجھ سے ہے

اللہ اللہ یہ ترا ایثار یہ غمخواریاں
مختصر یہ ہے کہ آج انساں عبارت تجھ سے ہے

ہے ترا حامی خدا حامی ہے تو مخلوق کا
تو سلامت رہ کہ آن اپنی سلامت تجھ سے ہے

تو سراپا فیض ہے عالم ہے دل دادہ ترا
ایک فانی کیا زمانے کو عقیدت تجھ سے ہے

قطعہ دیگر

اے فلک تو ہی کامیاب سہی — میری حالت بہت خراب سہی
نہ سہی زندگی حریف نشاط — میری ہر سانس اک عذاب سہی
میری نظریں بغیر ذوق نظر — میری آنکھیں بغیر خواب سہی
سر میں اک شورش تلاش قرار — دل میں اک جوش اضطراب سہی
میری ہر سعی نامشکور — میری ہر بات ناصواب سہی
نہ سہی التفات کے قابل — میں سزاوار اجتناب سہی
ننگ ہستی وجود ہو جس کا — میں ہی وہ خانماں خراب سہی
جس سے دنیا ہوئے سب بیزار — میں ہی وہ درخور عتاب سہی
نہ سہی میری بیکسی کا جواب — آپ اپنا ہی میں جواب سہی
تا نہ پاؤں سکون یک ساعت — ہر نفس صرف انقلاب سہی
تا نہ بیٹھوں کسی جگہ تھک کر — ذرے ذرے کو اضطراب سہی
میری محرومیاں سخن کوتاہ — بے شمار اور بے حساب سہی
کچھ سہی مغتنم ہے میری ذات — لاکھ رسوا سہی خراب سہی
کوئی پوچھے یہ ناز کیوں ہے تو پھر — یہ حقیقت بھی بے نقاب سہی

بندۂ بارگاہ عثماں ہوں
ذرۂ خاک راہ عثماں ہوں

شاہ ذی جاہ شہریار دکن — صاحب تاج تاجدار دکن
آصف سابع و نظام الملک — کارفرمائے روزگار دکن
تو ہی سلطان ذی وقار علوم — تو خداوند اقتدار دکن

تیرے دم سے ہی بزم عیش آباد — تیری ہستی ہے اعتبار دکن
تو ہی سرچشمۂ ہزار اعزاز — تو ہے سرمایۂ بہار دکن
تیری تقدیر ساز گار مراد — تیری تدبیر ساز گار دکن
چشم بد دور مرجع آفاق — نازش ہند و افتخار دکن
تیری ایک ایک بات اک اک کام — مژدہ رحمت و قرار دکن
جن مراعات کی نظیر نہیں — وہ مراعات ہیں بہ کار دکن
تونے کایا سی کچھ پلٹ دی ہے — چمنستان ہے کوہسار دکن
ہیں تری سرفرازیوں کے گواہ — قصر و ایوان زر نگار دکن
جم گئی جس طرف نگاہ گئی — عین منزل ہے رہگزار دکن
شاہ عثماں تجھے مبارک ہو — وسعت دولت دیار دکن
فیض جاری ترا شعار رہے — جاں نثاری رہے شعار دکن

مجھ کو نسبت تری جناب سے ہو
وہ جو ذرّے کو آفتاب سے ہو

قطعہ

بتقریب جشن سالگرہ

رشتۂ عمر دراز شاہ کی اک اک گرہ — فال صد نصرت ہو یا رب شاہ ذیشاں کے لئے
ہر گرہ میں یوں ہی مضمر ہو کشود کار خلق — ہر برس لائے یہی دن میر عثماں کے لئے

نامہ ہائے منظوم

ماہ مئی ۱۹۳۲ء

بگرامی خدمت ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر المتخلص بہ شاد
صدر اعظم دولت آصفیہ حیدر آباد دکن

اے مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد شاد
واسطہ اس بیکسی کا جس کو نسبت مجھ سے ہے

واسطہ اس جبر کل کا جس سے خلقت ہے مراد
واسطہ اس عجز کل کا جو عبارت مجھ سے ہے

واسطہ اس شانِ رفعت کا جو حاصل ہے تجھے
واسطہ ان پستیوں کا جن میں رفعت مجھ سے ہے

واسطہ ارباب فن کی کس مپرسی کا تجھے
تجھ کو اس فن کی قسم اب جس کی عزت مجھ سے ہے

جس میں سودا شعر فانی کا ہے اس سر کی قسم
ہاں اور اس دل کی قسم جسکو محبت مجھ سے ہے

جس سے میں بیزار ہوں اس زندگانی کی قسم
اس جوانی کی قسم اب جس کو نفرت مجھ سے ہے

کیوں نہیں ملتا مجھے میرے کسی خط کا جواب
کچھ تو ہو معلوم آخر کیا شکایت مجھ سے ہے

اس تغافل کا سبب یہ کج ادائی کس لئے
اس قدر بیزار کیوں تیری عنایت مجھ سے ہے

میں نے یہ مانا کہ مفلس ہوں تونگر میں نہیں
میں نے یہ مانا کہ کوسوں دور ثروت مجھ سے ہے

میں نے یہ مانا کہ حاجتمند ہوں محتاج ہوں
میں نے یہ مانا بہت برگشتہ قسمت مجھ سے ہے

ہر ہنر سے میں نے یہ مانا کہ میں بیگانہ ہوں
کسب زر کو میں نے یہ مانا عداوت مجھ سے ہے

میں نے مانا دشمن اب رستے ہیں میرے حال پر
میں نے مانا دوستوں کو درس عبرت مجھ سے ہے

میں نے مانا اس زمیں پر بار ہے میرا وجود
میں نے مانا ایک عالم کو اذیت مجھ سے ہے

کچھ سہی لیکن یہ ممکن ہے کہ تو بھولے مجھے
یاد ہے تیرا جو پیمان مروت مجھ سے ہے

مجھ پہ تو احساں کرے اور بھولنا چاہے تو خیر
میں نہ بھولوں گا جو تیرے در کو نسبت مجھ سے ہے

بنام حافظ امام الدین امام اکبر آبادی

ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء

از حیدرآباد دکن

مشفق و مہرباں جناب امام — خط ملا بعد انتظار تمام
خط کے ہمراہ یہ پیام بھی تھا — یاد ہے دوستوں کو تیرا نام
لیکن اس نامۂ محبت نے — زخم دل پر کیا نمک کا کام
چاہتا ہوں کہ تم کو لکھ بھیجوں — ماجرائے ضروری الارقام
گرچہ تھی صبح آگرہ بے نور — اوج پر تھا مگر ستارۂ شام
اور پہنچا ہی چاہتا تھا مجھے — حسن اول کا آخری پیغام
کہ یکایک فلک نے کروٹ لی — اور کیا فتنہ جو نے اپنا کام
سیکڑوں کوس آگرے سے دور — پھینک کر بھی نہیں لیا آرام
دل احباب سے بھی دور کیا — بند کی راہ نامہ و پیغام
حیدرآباد ہے اب اور ہم ہیں — دیکھنے کو بھی وہ سحر ہے نہ شام
کون غربت میں غمگسار غریب — کس کو پردیسیوں کے کام سے کام
جوش آزاد نے کسی حد تک — کی تلافی گردش ایام
تھی مگر پھر بھی کس کے بس کی بات — حیدرآباد میں یہ طول قیام
ہاں مگر ایک بات اور صرف ایک — دوسرا ہو تو لوں میں اس کا نام
وہ مہاراجہ سرکشن پرشاد — منبع جود مصدر اکرام
جس کے در سے نہیں کوئی محروم — جس کے دم سے ہے لطف خاص بھی عام
یہ وہ ہستی ہے جس کے فیض سے ہے — کوئی دن اس دیار میں بھی قیام

اس کا اقبال اس کے دولت و عمر — سب کو اللہ دے ثبات و دوام
یہ ہے روداد ابتدائے سفر — اب جو اس ابتدا کا ہو انجام
یاد رکھئے دعائے خیر کے ساتھ — اک سلام اور بعد ختم کلام
ہاں مگر اک سلام شوق ہے اور — بامید جواب شوق و سلام

رباعیات

غم عین نشاط و راز تخلیق نشاط
غم حجت انبساط و تصدیق نشاط
غم کا ہے تبسم جسے کہتے ہیں وجود
ہستی کو ہے غم کے دم سے توفیق نشاط

یہ ارض و سما یہ انس و جاں ہیں الفاظ
الفاظ کے معنی بھی یہاں ہیں الفاظ
اک معنی بے لفظ ہے عالم فانی
معنی کی لطافت پہ گراں ہیں الفاظ

کیا جانئے کس کی جستجو جاری ہے
اک عمر سے رسم آرزو جاری ہے
کچھ اپنی زباں میں دل کہے جاتا ہے
بے سمجھی ہوئی سی گفتگو جاری ہے

منہ میں ہے زبان کچھ نہ کہنے کے لئے
اسباب طرب ہیں رنج سہنے کے لئے
اثبات سے اثبات کی ضد ہے مقصود
زندہ ہیں فقط زندہ نہ رہنے کے لئے

کیا کہیے کہ مدعائے تحقیق یہ ہے
خود کھو گئے ماجرائے تحقیق یہ ہے
تو کیا ہے یہ ابتدائے تحقیق سہی
ہم کچھ نہیں انتہائے تحقیق یہ ہے

وہ یاد جو محو ہوش پاتی ہے مجھے
چونکا کے عجب سماں دکھاتی ہے مجھے
ہر بو میں جھلکتا ہے رخ یار کا رنگ
ہر رنگ میں بوئے یار آتی ہے مجھے

بیگانۂ ہجر ہو کے مہجور رہے — رحمت سے قریب رہ کے ہم دور رہے
عصمت رہی احساس خطا میں مضمر — مختار سمجھتے رہے مجبور رہے

تنزیہہ ہے اس کی ہر صفت کا مقصود — وہ ایک ہے یعنی نہیں کثرت کا وجود
تحدید کا پہلو نہیں وحدت میں کہ ہے — انکار تعین بزبان محدود

دل سے تیری ہی گفتگو کافی ہے — تجھ سے تیری ہی آرزو کافی ہے
فانی ہو کہ باقی ہو وہ دنیا ہو کہ خلد — درکار نہیں کہ ایک تو کافی ہے

ہستی کے نہ آغاز نہ انجام میں دخل — تکلیف پہ قابو ہے نہ آرام میں دخل
اک سانس پہ عمر بھر کبھی بس نہ چلا — مختار ہوں اور نہیں کسی کام میں دخل

ہر لمحہ گزرنے کو ہے یا گزرا ہے — ہنگام عمل دیکھئے کب آتا ہے
ٹھہرے گا کبھی وقت تو ہوگا امروز — فی الحال زمانہ دی ہے یا فردا ہے

کب کوئی کسی کے لئے غم کھاتا ہے — وہ نیک ہے جو بدی سے ڈر جاتا ہے
امکان ہے اپنی بیکسی کا بھی مجھے — اس خوف سے بیکسی پہ ترس آتا ہے

اس سمت تقاضا کہ ادھر ایک نگاہ — اس سمت فریب وعدۂ شام و پگاہ
یہ کشمکش رد و قبول اور فانی — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

سچ ہے کہ محبت میں اثر ہوتا ہے — جو چاہیے وہ نہیں مگر ہوتا ہے
جتنا متوقع ہو خبر کا کوئی — اتنا ہی وہ اور بے خبر ہوتا ہے

اک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا — افسانۂ آرزو سنایا نہ گیا
فانی ارنی نہ اپنے منہ سے نکالا — احسان تجلی بھی اٹھایا نہ گیا

انوار کے پردوں میں سیاہی توبہ — اغراض کی دوستی الٰہی توبہ
فانی جنھیں دشمنی سمجھنا ہے محال — ان دشمنیوں کی بے پناہی توبہ

نیرنگ زمانہ رنگ دنیا دیکھا — کیا کہیے کہ ہم نے کیا کیا دیکھا
تدبیر نے جو کنوئیں جھنکائے جھانکے — تقدیر نے جو ہمیں دکھایا دیکھا

تکمیل بشر نہیں ہے سلطاں ہونا — یا صف میں فرشتوں کی نمایاں ہونا
تکمیل ہے عجز بندگی کا احساس — انسان کی معراج ہے انساں ہونا

تھا باغ مرقع تمنا اپنا — صحرا سو وہ اک نقش جنوں تھا اپنا
ہم بزم حواس میں اکیلے ہی رہے — دیکھا کیے دور سے تماشا اپنا

اے راہروِ جادۂ دنیائے یقیں — چل خاک پہ قدموں کی عوض رکھ کے جبیں
نقش قدم دوست ہیں یہ پست و بلند — ہلکے ہیں کہیں یہ نقش گہرے ہیں کہیں

دیوانہ صفت گزار بیہوش گزر
پستی و بلندی سے ہم آغوش گزر
نیرنگ نگاہ و گوش ہے ہر ذرّہ
حیراں گزر اس راہ سے خاموش گزر

وقت اپنا سبھی طرح گزر جاتا ہے
اچھی کہ بری طرح گزر جاتا ہے
جو لمحہ کسی طرح گزرتا ہی نہیں
فی الجملہ کسی طرح گزر جاتا ہے

وہ حور کو چاہا کہ پری کو چاہا
چاہا اسے ہم نے جس کسی کو چاہا
سو رنگ سے تھی دل میں تمنا اسکی
جب اس کو نہ چاہا تو اسی کو چاہا

دل ہو ہمہ جوشش زندگانی یہ ہے
مایوس نہ رہیے کامرانی یہ ہے
ہر فتح کی بنیاد ہے انکار شکست
مانوس ہو غم سے شادمانی یہ ہے

بندہ کوئی ایسا بھی خدا کا ہوگا
جس کا چاہا فلک کا چاہا ہوگا
مر مر کے تو ہم بھی جی رہے ہیں فانیؔ
جینے کی طرح بھی کوئی جیتا ہوگا

کٹنے کو جگر کا زخم سیتے دیکھا
دیکھا جب خون دل ہی پیتے دیکھا
اب تک روتے تھے مرنے والوں کو اور اب
ہم رو دیئے جب کسی کو جیتے دیکھا

ناقص ہی عطائے زندگانی محدود
ہی بہر حصول خلقت ہر مقصود
فانیؔ جس کا حصول ناممکن ہے
ممکن نہیں دل میں اس تمنا کا وجود

دے کر یارب تونگری کی توفیق
دی اہلِ تکبر کو خودی کی توفیق
بندوں کو خدا بنا کے دیکھا تو نے
اب ان کو عطا ہو بندگی کی توفیق

جاہل خود اور خود اہلِ عرفاں ہونا
خود تشنہ لب اور خود آبِ حیواں ہونا
اضداد کا امتزاج کچھ کھیل نہیں
مشکل ہے کوئی کام تو انساں ہونا

ہر چند بہت بے سر و ساماں ہوں میں
اور قصرِ گناہ پر پشیماں ہوں میں
لیکن یہ غنیمت ہے فرشتہ میں نہیں
بخشش کو یہ کافی ہے کہ انساں ہوں میں

وہ بھید ہوں فانی جو کوئی پا نہ سکے
وہ بات ہوں جو خیال میں آ نہ سکے
قادر ہو وہ عمر بھر جیے جانے پر
جو تابِ عذابِ یک نفس لا نہ سکے

ہاں بعد خزاں بہار آ جاتی ہے
اک لمحۂ عیش بعد غم لاتی ہے
اک اپنی ہی عید پھر نہ پلٹی ورنہ
اب تک رمضاں کے بعد عید آتی ہے

کیا جام مے ہوش رُبا دیتا ہے
کیا مژدۂ ردّ بلا دیتا ہے
ہر قطرۂ مے ہے خونِ صد عیش بدوش
مے دے کے فریبِ عیش کیا دیتا ہے

آنکھوں سے جو خونِ دل بہے بہنے دے
تخفیف نہ چاہ دل کو غم سہنے دے
غم میں یہ تصرف ہے خیانت فانی
غم اس کی امانت ہے یونہی رہنے دے

بجھتی ہی نہیں شمع جلے جاتی ہے — کٹتی ہی نہیں رات ڈھلے جاتی ہے
جاری ہے نفس کی آمد و شد فانی — سینے میں چھری ہے کہ چلے جاتی ہے

دل ہے وہی اضطراب کی خو نہ سہی — غم ہے وہی اظہار کا پہلو نہ سہی
آنسو تھے تو آنسوؤں سے رو لیتے تھے — روتے اب بھی ہیں خیر آنسو نہ سہی

اب یہ بھی نہیں کہ نام تو لیتے ہیں — دامن فقط اشکوں سے بھگو لیتے ہیں
ہم اب ترا نام لے کے روتے بھی نہیں — سنتے ہیں ترا نام تو رو لیتے ہیں

ہر شے میں نگاہ شوق پاتی ہے تجھے — دوری گویا قریب لاتی ہے تجھے
پھولوں کی مہک یاد دلانے والے — پھولوں کی مہک یاد دلاتی ہے تجھے

کلیاں کھلتی ہیں پھول کھلاتے ہیں — جلوے بیباک ہو کے چھپ جاتے ہیں
دل جن کے ادا شناس ہر رنگ نہیں — فانی اس باغ میں وہ کیوں آتے ہیں

چاہے سے بدلتی ہے مشیت بھی کہیں — چھپتی ہے چھپائے سے حقیقت بھی کہیں
غم ہی سے غلط نہ کر کہ غم قسمت ہے — ملتی ہے غلط کیے سے قسمت بھی کہیں

غم راز بقائے نظام یک عالم ہے — غم سے غلط ہو یہ توقع کم ہے
ہر چند حقیقت بھی حقیقت فانی — بالفرض غلط بھی ہو تو غم پھر غم ہے

ہستی فقط اک دور مسلسل ہی نہیں　　ہر خلق جدید ہی لطافت سے قریں
کلیوں کو سب نے پھول بنتے دیکھا　　کلیاں بنتے بھی پھول دیکھے ہیں کہیں

کس روز یہ دل کفر کا مسکن نہ ہوا　　کس شرک سے آلودہ یہ دامن نہ ہوا
ہم نے سو طرح دشمنی دوست سے کی　　اللہ ری دوستی وہ دشمن نہ ہوا

گو خار ہوں جب یاد چمن آتی ہے　　انگاروں پہ لوٹتے ہی بن آتی ہے
کافر ہوں جو فردوس میں چین آتا ہو　　دوزخ سے بھی جب بوئے وطن آتی ہے

اے فتنۂ روزگار آہستہ گزر　　آشوب دل فگار آہستہ گزر
نازک ہی بہت دماغ ارباب جنوں　　اے نکہت زلف یار آہستہ گزر

جاہل ہی نے پایا ہے نہ عالم نے تجھے　　مخفی رکھا ضمیر محرم نے تجھے
لیکن یہ حجاب قدر آخر کب تک　　پہچان لیا فسخ عزائم نے تجھے

یہ رات یہ ابر یہ ہوا کے جھونکے　　یہ راگ ہوا کے ساز پر بوندوں کے
پھر دل میں وہ یاد دے کے نشتر آئی　　پھر زخم ہرے ہو کے رہے برسوں کے

قطرے کو یہاں سحاب بھی کہتے ہیں　　دریا ہی جسے حباب بھی کہتے ہیں
ہر جزو بجائے خویش کل ہے فانی　　ذرے ہی کو آفتاب بھی کہتے ہیں

کیا خضر طریق کہہ کے رہزن کہتے   بنتی نہیں موم کہہ کے آہن کہتے
ورنہ وہ دوستوں نے ایذا دی ہے   شرم آتی ہے دشمنوں کو دشمن کہتے

فانی جب دل نہیں تو دنیا بھی نہیں   اب عیش عزیز کیا گوارا بھی نہیں
جینے کی تمنا کو زمانہ گزرا   اب خیر سے مرنے کی تمنا بھی نہیں

اک شمع کی سو روپ میں تنویریں ہیں   اک حرف کی سو رنگ میں تحریریں ہیں
بن جاتی ہے ہر نگاہ منظر فانی   جو دیکھ رہا ہوں مری تصویریں ہیں

روداد غم ہوش ہے وابستۂ کن   کانٹا نہ نکال پھول دیکھ اور نہ چن
فانی افسانۂ مکمل ہے حیات   سن اور با امید رد و اصلاح نہ سن

دنیا کہیں دوزخ ہے کہیں خلد بریں   دل ہے وہی ایک شاد ہے ایک حزیں
یہ ذرہ چمک اٹھا وہ تاریک ہوا   جم کر نہ رہی شعاع خورشید کہیں

بلبل کی حیات کا تقاضا ہے کچھ اور   پھولوں کی جو دنیا ہے وہ دنیا ہے کچھ اور
گو نالۂ مجبور بھی آساں نہیں   مجبوری خندہ ہائے بیجا ہے کچھ اور

ناکام ازل کی کامرانی معلوم   قسمت میں نہ ہو تو شادمانی معلوم
جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید   ورنہ فانی کی زندگانی معلوم

بلبل کو چمن کی زندگی راس آئی
پھولوں کو غریب الوطنی راس آئی
فانی کو نہ زندگی میں راس آیا کچھ
آئی بھی تو ایک موت ہی راس آئی

کچھ خیر سے یادِ یار میں گزری عمر
کچھ موت کے انتظار میں گزری عمر
آیا بھی اگر ہوش تو بےچین رہے
کچھ نشہ میں کچھ خمار میں گزری عمر

کچھ کام نہیں تو کام کر جانے دے
یارب دنیا سے اب گزر جانے دے
مر مر کے جیئے جائے کہاں تک فانی
جینا نہیں منظور تو مر جانے دے

نیرنگیٔ حسیات و جذبات ہوں میں
جو فہم سے ہو بعید وہ بات ہوں میں
جس رات کے دو پہر ہوں ہستی و عدم
فانی بیمارِ غم کی وہ رات ہوں میں

آماجِ گہِ ناوکِ آفات ہوں میں
تلخی کشِ زہرِ عیش نا فات ہوں میں
عبرت کدۂ دہر میں شاید فانی
جینا ہے گناہ اور مکافات ہوں میں

نا عاقبت اندیش قیامت کو نہ بجھ
مظلوم سے ڈر خدا کی عادت کو سمجھ
یہ عرش کو سو بار ہلا آئی ہے
آوازِ شکستِ دل کی طاقت کو سمجھ

کشمیر میں حالِ اہلِ کشمیر تو دیکھ
ہر پاؤں میں افلاس کی زنجیر تو دیکھ
سمجھے ہم کیا تھے دیکھتے ہم کیا ہیں
کشمیر کے خواب! اپنی تعبیر تو دیکھ

اس باغ میں جو کلی نظر آتی ہے — تصویر فسردگی نظر آتی ہے
کشمیر میں ہر حسین صورت فانی — مٹی میں ملی ہوئی نظر آتی ہے

پھولوں کی نظر نواز رنگت دیکھی — مخلوق کی دل گداز حالت دیکھی
قدرت کا کرشمہ نظر آیا کشمیر — دوزخ میں سمائی ہوئی جنت دیکھی

عرضِ حال

یاد ایامِ عیشِ برنائی
ہم ہیں اب اور کنجِ تنہائی

نہ رہی آرزوئے صبر شکن
اب نہیں حسرتِ شکیبائی

سرِ نظارۂ جمال نہیں
اپنے ہم آپ ہیں تماشائی

بھول بیٹھے ہم اک زمانہ ہوا
محفل آرائی و خود آرائی

دل کہ تھا آشنائے ذوقِ نظر
ہم کہ تھے وصل کے تمنائی

ہم وہی، دل وہی سہی لیکن
نہ وہ سودا نہ ہم وہ سودائی

اب نہ وہ آہ دمبدم کا ہجوم
اب نہ وہ غم کی کارفرمائی

رخصتِ شوق ہے نہ رخصتِ ہوش
کوچہ گردی نہ دشت پیمائی

لحنِ بلبل جگر خراش ہے اب
نہیں بھاتی گلوں کی رعنائی

دل ہی مرجھا گیا نہ ہوا اپنا
کہ چمن میں تو ہے بہار آئی

کیجئے اب وداعِ سیرِ چمن
خار ہے وہ کلی جو مرجھائی

آ بھی اے مرگِ ناگہانی آ
سخت مضطر ہیں تیری شیدائی

چارۂ دردِ زندگی تو ہے
کر اگر ہو سکے مسیحائی

فانیؔ تلخ کام کی امید
تو اگر آ گئی تو بر آئی

ضمیمہ باقیاتِ فانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساقی خمے از بادۂ دوشیں بچہ جام است
زخمے است مرا در دل و مرہم نہ حرام است

خونم ہدر انگار کہ قاتل نہ شناسم
دانم کہ ادائیست و ندانم کہ کدام است

از جلوتیاں لذت عیش نگہے پرس
بر خلوتیاں فرصت نظارہ حرام است

دم درکش و دل خوں کن و ہر قطرہ بجوش آر
از نالہ مجو کام کہ ایں شیوۂ عام است

در مسلک ما لغزش پا خضر طریق است
از میکدہ تا کعبۂ کویش دو سہ گام است

نازم چمنے را کہ نیازم بہ قفس نیست
ہر غنچہ کہ دل می کشدم حلقۂ دام است

فانی ز حیات من آشفتہ چہ پرسند
مرگے ست کہ از ہستی جاوید پیام است

ز حسن و عشق چہ گویند داستان من است
غم تو جان من است و وفا جہان من است

شرار برق کجائی کہ گوشۂ قفسم
بہ التفات تو ارزد کہ آشیان من است

نیافتم ز حرمش نشان و نوبت کار
بہ دل رسید و ہماں سنگ آستان من است

ز حد خویش گزشتن بہ جسد خوشیم برد
ہر آں نشاں کہ بہ ذاتش دہم نشان من است

ز لطف دوست مرا نیمۂ نگاہ بس است
متاع خلد نہ جویم کہ رائیگاں من است

بہ غربتم کہ بہ ہر قریہ ام وطن پیداست
بہ ہر زمین کہ شدم زیر آسمان من است

بہ رنج خستگیم بخش واز گناہ مپرس
بگو کہ فانی عاصی ز خستگان من است

افشاندن جان جز بہ حضور تو روا نیست
در عہد غم ہجر تو آئین فنا نیست

نازم بہ جمال تو کہ برق است و بلا نیست
سازم بہ غم عشق کہ درد است و دوا نیست

غیب است شہود م ز دیار دگر ستم
عالم عدم ماست کہ از عالم ما نیست

کونین بہ ما عرضہ نمودند و ندیدیم
آغوش وفائے کہ بہ سودائے تو وا نیست

ناخواستہ جان بخشی و ناداده ستانی
فارغ ز غم سیم و حاجت بہ دعا نیست

بگزار قفس را کہ بہ پرواز در آید
دارم سخنے با گل و راہم بہ صبا نیست

خواہان کرم نیست پرستار کریم است
فانی بدرت ناصیہ فرساست گدا نیست

نور ز صبح وصال بخت سیاہم ربود
جلوۂ ناگاہ دوست تاب نگاہم ربود

برق جمالش ز دل صبر تاراج برد
انچہ ازو باز ماند شعلۂ آہم ربود

شکوۂ بختم چراست کام دلم چوں دہد
ناشدہ شام وصال ہم پگاہم ربود

محرم راز است وہم رفتہ راز است دل
کاہ ربا بود دم و مستی کاہم ربود

خیر عمل را مسنج باز بہ نعم بہ بخش
عزم حرم داشتم دیر ز راہم ربود

از دل فانی چہ گفت گفت کہ با بردہ ایم
باز ز جاں گفتمش گفت کہ خواہم ربود

باز خاطر شادم تلخی غم از من مپرس
صرف عیش بر بادم شوخی رم از من مپرس

خامہ را ز با نستم لوح را نشا ستم
حرف کن فکان استم راز عالم از من مپرس

محرم مشا لم من نکتہ دان حالم من
آدمے ہم از من جہے خلد را ہم از من مپرس

نعمتے ست عیش اما نعمتے و پایانے — نعمتے ست بے پایاں لذت غم از من پرس
حسن بے تماشا را عشوہ ہا تو میدانی — چشم بے تماشا را اشک بیہم از من پرس

بے خبر از تو چو اغیار منے ساختہ ام — سخنے ساختہ اند و سخنے ساختہ ام
حسن یک پرتو عشقے است کہ از ما خیزد — صنمے ساختہ ام برہمنے ساختہ ام
در خلوت گہ اسرار نہاں است ولے — از پئے دفع نظر انجمنے ساختہ ام
نقش ہا بستہ ام از خون شہیداں بچمن — ورق لالہ ز خونیں کفنے ساختہ ام
گنہے کردہ ام و عذر گنہ می بایست — حیلہ پرداختہ ام اہرمنے ساختہ ام
دل بہ ایمائے نظر جلوہ معین می خواست — کردہ ام طرح زمین و زمنے ساختہ ام
ایں خطائیست کہ عفوم نہ کنندش فانی
کہ من از خاک بدایوں وطنے ساختہ ام

دل را بہ نیم جنبش مژگاں فسردہ ختیم — دیوانہ مفت تست کہ ارزاں فسردہ ختیم
از ما حدیث گرمی بازار گل مپرس — جلیے کہ داشتیم بہ داماں فسردہ ختیم
آں آن ماست بے سر و سامانئے کہ ہست — سامان بہ عشق بے سر و ساماں فسردہ ختیم

بر روئے اشک شرح عذابے نوشتہ ایم — راز یست آتشے کہ بہ آبے نوشتہ ایم
ایں فتنۂ جمال کہ گویند عالمیست — فصلے ز اعتبار حجابے نوشتہ ایم
یا رب بہ نامۂ علم خردہ مگیر — فرہنگ حرف ہوش بہ خوابے نوشتہ ایم
ہر فنا بہ لب زدم و دیدہ دوختیم — آداب انتظار جوابے نوشتہ ایم
از راحت زمانہ جراحت عبارتست — آبے نوشتہ اند و سرابے نوشتہ ایم
داغے بہ دل سپردم و دود رخ بہ جان داغ — تاریخ روزگار شبابے نوشتہ ایم

فانی دریں صحیفۂ امکان بہ نام تو
ہر جا کہ ہست خانہ خرابے نوشتہ ایم

حیف است در فراق تو مسرور زیستن | آوخ بہ یاد چشم تو مخمور زیستن
از بخت واژگوں بہ دل و دیدہ ام رسد | با مژدۂ وصال تو مہجور زیستن
از ما ہر آنچہ رفت نہ از ما بود کہ بود | مقدور عارفان تو مجبور زیستن
در ہا کشودۂ بہ من از فقر و از غنا | ماتم و شاد مردن و رنجور زیستن
کج کن کلاہ خسروی دل بہ رغم ہوش | سہل است ہمچو قیصر و فغفور زیستن
از ما مجو نشان ز سرور و سرور ہوش | از ما مخواہ زیستن و دور زیستن

نازم بہ تکیہ کردن فانی بہ لطف دوست
اے داغ غیور مردن و مغرور زیستن

دلے دارم بخوں غلطیدۂ از جور بے نامے | خود آرائے و خود بینے خداوندے و خودکامے
بہ ذکرش صبح ما سینا بہ فکرش شام ما ایمن | مرا صبحے است و ہم شامے خوشا صبح و خوشا شامے
بہ عنوان نفس رنجے ز غیبم می رسد اما | بہ ہر فرمان غیبم می رسد از دوست پیغامے
قفس پروردہ و نا آشنائے آشیانستم | بہ مرغان چمن ارزد صلائے دانہ و دامے

خراب لطف و ہنگامیم آہ از حال ما فانی
کرم وابستۂ لطفش اجل موقوف ہنگامے

فتنۂ عشق بہ دلہا سرزد | حسن عالم بہ تماشا ارزد
طالعم گردش افلاک بسوخت | اخترم بارہ صد اختر زد
غم او خون دل از اشکم ریخت | نشتر آورد و رگ گوہر زد
عندلیبے کہ نوائش دادند | بہ ہوائے چمن ما پر زد
مغفرت حیلۂ تقاضا می کرد | رحمتش قرعہ بہ چشم تر زد

شرر عشق کہ شورش نامند | زد ولم جست و بہ جانہا در زد
فانی از دیر و حرم ہم بگسست
دوش دیدم کہ در دیگر زد

یارب صلائے رنج فراوانم کو | تعبیر حیات خواب سامانم کو
کو جلوہ کہ جاں نذر لقائے تو کنم | قربان تو عید عید قربانم کو

خاک پائے بندگان درگہ عشقیم ما | ہر کجا صیدے بدام اوست صیاد من است
می ندانم تا بہ محشر اعتبار سجدہ چیست | ایں قدر دانم کہ ہیچ است و جبین زادمن است

تقریظ

عالیجناب مہاراجہ یمین السلطنۃ سرکشن پرشاد بہادر شادؔ دام اقبالہم

شاعری کیا ہے اک احساس قوانین وجود　　دل کے جذبات کا اظہار تبائید قیود
برہمن ہے دل شاعر بت فطرت معبود　　جلوہ پیرائے ازل کا ہے جہاں حسن نمود
جب نظر راز کے پردوں سے گزر جاتی ہے
دل کے آئینہ پہ تصویر اتر آتی ہے

دل ہے شاعر کا کہ ایک منزل انوار جمال　　اور جولاں گہ دل وسعت میدان خیال
نغمہ زن ہوتا ہے جب مست سخن صاحب قال　　بزم فطرت میں ہراک چیز کو آجاتا ہے حال
کوہ جھک جاتے ہیں اشعار کی موسیقی سے
چشمے رک جاتے ہیں اشعار کی موسیقی سے

میز پر اک آئینہ رکھا ہے جس میں طرح طرح کی دل فروز صورتیں نظر آرہی ہیں۔ سطح کاغذ پر کچھ اس قسم کے موتی بکھرے ہیں جنھوں نے انجم کا بازار سرد کر دیا ہے۔ مشتاق نگاہوں کو انوار طور کے جلوے نظر آرہے ہیں۔

یہ آئینۂ دل فروز کیا ہے لو ہم دکھاتے ہیں دیکھو۔ کلیم طور سخندانی رمز آشنائے نکات زباں دانی شوکت علیخاں فانی کا دوسرا دیوان ہے۔ دیوان کیا ہے سخن سنجوں کو محو حیرت بنانیکا بے زنگ آئینہ ہے۔

مضامین کی دشوار گزار گھاٹیوں کو طے کرنا۔ فصاحت کا چمن سحاب نطق سے سرسبز و شاداب کر دینا۔ بلاغت کی تاروں بھری رات میں الفاظ کی قدرتی قندیل سے اعلی درجہ کی روشنی پر قبضہ حاصل کرنا۔ معاملہ بندی کے سنسان اور ڈراونے جنگل

کے ہرے ہرے درختوں کی کاٹ چھانٹ میں مشغول ہونا فانی ہی جیسے قادرالکلام شاعر کا کام ہی۔ یوں تو شب ہجر کا سناٹا۔ بخت خفتہ کی شکایت اندھیری رات کا سماں۔ کواکب سحری کی مایوسانہ رخصت ہر شاعر نے لکھی ہی۔ یوں تو فراق کی گھڑیاں۔ دل کا اضطراب طبیعت کی بیچینی۔ زمانے کی سرد مہری۔ ناکامیوں کی تصویر ہر شاعر نے کھینچی ہی۔ یوں تو ستم زدوں کی آہ۔ جسم کی لاغری۔ چہرے کی بے رونقی کا ہر شاعر رونا رو یا ہی۔ گل و بلبل کے جھگڑے۔ قمری و سرو کے معاملات شمع و پروانہ کا عشق کون نہیں جانتا۔ مگر فانی نے ریگستان سخن سے ایسے ایسے چمکیلے ذروں کو چنا ہے کہ تاریک دلوں میں شب قدر کا اُجالا ہو گیا۔ اچھوتے خیالات اس دیوان میں اس طرح نظر آرہے ہیں جیسے دریا کی اٹھتی ہوئی موجوں میں پنجۂ خورشید عالم تاب کی شعاعوں کا عکس! اختر داغ جگر میں کچھ ایسی روشنی کوٹ کر بھر دی ہی کہ عطارد کی طرح اہل قلم جگر میں آگئے ظلمت کدہ دل میں خیال یار کا آنا ایسا لکھا ہی کہ گویا کنج مزار میں چاندنی چھٹکی ہے۔ جذبۂ الفت کی خدا داد کشش کا ایسا چربہ اتارا ہے کہ ہرے بھرے درختوں کی قوت نامیہ کا جوش پھولوں کی دل آویز خوشبوؤں میں مل گیا۔ شوق کی ترقی کا ثبوت ایسے پیچیدہ الفاظ میں ادا کیا ہے کہ محبوب بھی اپنے شیفتہ کی جھلک ظاہر کرتا ہے۔ استعارات تشبیہات معاملات کے ذریعے سے یہ دیوان آراستہ ہی نفیس مضامین۔ پاکیزہ خیال سطریں دام حسن نقاط دانہ خال جداول انہار کوثر سے بڑھ کر۔ خدا حسن قبول دے قطعۂ تاریخ فقیر شاد صدیقی کی بھی سن لیجئے۔

ستم ظریفی فانی کے ہم بھی قائل ہیں
جو شاعروں میں ہیں اک طرز خاص کے بانی

کلیم طور فصاحت جوان کو کہئے بجا
بنایا صفحہ کو وادی ایمن ثانی

کلام ان کا ہے مشتاق سخن کا ثبوت
زمین شعر کو ہر طرح سے کیا پانی

ہیں ان کے زیر نگیں مملکت فصاحت کی
قلم میں زور قلمرو میں شہرۂ فانی

نظام دفتر نطق ایک دم میں نظم کیا — دکھائی شعر میں فکر سخن کی جولانی
نقاط شعر یہ ہیں خال گل رخاں اسپند — سخن کے حسن پہ قربان ماہ کنعانی
رہی ہمیشہ یہ کوشش کسی طرح سے ملے — جہاں میں ہم کو بھی علم وادب کی دیوانی
خیال آگیا دیوان لکھ کے چھپوایا — کہ جس میں خاص مضامیں کی ہے فراوانی
ہمیں سمجھتے رہیں اے شاد مصلحت انکی — نکالی خوب ہی تدبیر یہ باسانی

یہ کلک شاد نے تاریخ کا لکھا مصرع
بقائے ہستی فانی ہے حکمت فانی
ھ ۱۳ ۵۳

ایضاً

شاعروں میں شہرت شوکت علی فانی ہے آج — نکتہ رس شیریں سخن ہر بات ہے ان کی نبات
سال فصلی لکھ کے دو اے شاد بہر یادگار — دائما دیوان فانی باقیات الصالحات
ف ۱۳ ۴۳

تمت